بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآنی واقعات سے نصیحت:3

قصہ حضرت یوسفؑ سے ملنے والی نصیحت

مرتب

عبداللہ صدیقی

(ریسرچ اسکالر آف ایمانیات)

زیر سرپرستی

مولانا محمد کلیم الدین سلمان قاسمی

ناشر

عظیم بک ڈپو، نزد جامع مسجد دیوبند، یوپی (انڈیا)

حق طباعت غیر محفوظ

(بغیر کسی تبدیلی کی چھپوانے کی عام اجازت ہے)

نام کتاب:۔ قرآنی واقعات سے نصیحت:۳
قصہ حضرت یوسفؑ سے ملنے والی نصیحت

مرتب:۔ عبداللہ صدیقی

زیرسرپرستی:۔ مولانا محمد کلیم الدین سلمان قاسمی

سنہ طباعت:۔ ۲۰۱۷ء مطابق ۱۴۳۷ھ

تعداد اشاعت:۔ 500

کمپیوٹر کتابت:۔ النور گرافکس، حیدرآباد، تلنگانہ۔9963770669

ناشر:۔ عظیم بکڈپو، دیوبند، یوپی، انڈیا۔

☆☆ ملنے کے پتے ☆☆

اس کتاب کو اردو تفاسیر ابن کثیرؒ، معارف القرآن، فی ظلال القرآن، تدبر قرآن، تفہیم القرآن اور قصص الانبیاء اور دیگر مستند کتابوں کے نکات سے مدد لے کر تیار کیا گیا ہے۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ ٥ (القمر:۱۷)

ہم نے قرآن کو آسان کردیا ہے، ہے کوئی غور وفکر کرنے والا!

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو مسلم اور غیر مسلم دونوں کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے، اس کے آسان کردینے سے مراد مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ معارف القرآن میں اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں: ''اللہ نے ہر عالم و جاہل، چھوٹے بڑے کو عبرت و نصیحت حاصل کرنے کی حد تک قرآن مجید کو آسان فرمادیا ہے، البتہ اس سے مسائل اور احکام نکالنا یہ عوام الناس کا کام نہیں، یہ صرف اہل علم کا کام ہے، اس آیت کا سہارا لے کر قرآن کی مکمل تعلیم اور اس کے اصول وضوابط جانے اور سیکھے بغیر احکام ومسائل بتلانا گمراہی کا راستہ ہے۔

باشعور مسلمان قرآن سے پچھلی قوموں کے شرک، کفر کے حالات، یہود ونصاری کا کتاب اور پیغمبروں کے ساتھ سلوک، اللہ کے احکام سے بغاوت اور مختلف قوموں پر عذابات کی وجوہات، قیامت کی نشانیاں، حشر کے واقعات، جنت کی نعمتیں اور دوزخ کے عذابات، قرآنی واقعات اور منافقین کی منافقت، آفاق و انفس پر غور وفکر سے عبرت و نصیحت حاصل کرنے کی کوشش کریں، اگر علماء کرام جمعہ کے بیانات اصلاحِ معاشرہ کے علاوہ مذکورہ عنوانات پر عبرت ونصیحت حاصل کرنے کا طریقہ بتلائیں اور قرآن مجید کو سمجھنے کے حدود بتلائیں تو مسلمانوں کی بڑی تعداد بغیر سمجھے تلاوت کرنے کے بجائے اپنے حدود سمجھتے ہوئے تلاوت کرے گی اور قرآن مجید سے واقفیت حاصل کرے گی، کثیر تعداد سورۂ فیل سے سورۂ ناس تک جو سورتیں یاد رکھتی ہیں ان کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتی، اس کی بڑی وجہ بعض بڑے حضرات کا عوام کو قرآن مجید خود سے سمجھنے سے قطعاً منع کرنا ہے، یہ نامناسب ہے، جبکہ بعض انگریز ایمان قبول کرنے کے بعد اپنی زبانوں میں قرآن کے ترجمے کر رہے ہیں، اس لئے عوام کو مستند علماء کرام کے تراجمِ قرآن پڑھنے کی ترغیب دینی چاہئے اور انہیں بتانا چاہئے کہ کن باتوں میں غور وفکر کرنا چاہئے اور کن باتوں میں نہیں۔

مولانا امتیاز احمد خان مفتاحی نقشبندی
مہتمم جامعہ مؤمنات للبنات نرمل، تلنگانہ
Cell: 9912788473

مولانا محمد کلیم الدین سلمان قاسمی
خطیب مسجد عمر بن خطابؓ، حیدر نگر، حیدرآباد
Cell: 9963770669

مشرکین عرب کو قرآن مجید کی قدر کرنے کی تلقین

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآناً عَرَبِيّاً لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ (یوسف:۲)

ہم نے اس کو ایسا قرآن بنا کر اُتارا ہے جو عربی زبان میں ہے؛ تا کہ تم سمجھ سکو۔

سورۂ یوسف میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مشرکینِ مکہ کو خطاب کر کے یہ تلقین کی کہ اللہ نے اپنی سب سے بڑی نعمت قرآن مجید کو خود انہی کی زبان عربی میں نازل کر کے ان پر احسان عظیم کیا ہے؛ تا کہ وہ آسانی سے خود سمجھیں اور اپنی زندگی کو سنواریں، گندگی اور جاہلیت سے دور ہو کر زندگی گذاریں، اس کلام کی قدر کرتے ہوئے اس کو دوسروں تک پہنچائیں اور اپنی آخرت کو ناکام ہونے سے بچائیں، اگر وہ اللہ کی اس نعمت کی ناقدری کریں گے تو دنیا اور آخرت میں سخت عذاب کے مستحق ہو جائیں گے، اس لئے کہ یہ جتنی بڑی نعمت ہے اس کے انکار پر اس کی سزا بھی ویسی ہی دی جائے گی۔

☆ اگر ان آیات پر غور کیا جائے تو یہ ہم سے بھی مخاطب ہے، اس لئے کہ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو مسلمان بنا کر قرآن مجید عطا فرمایا، جس طرح عربوں پر ذمہ داری تھی اسی طرح ہم پر بھی ذمہ داری ہے، اس لئے کہ اِس وقت قرآن مجید کے ترجمے مختلف زبانوں میں موجود ہیں، اگر ہم اپنی زبان میں اس کو نہ سمجھیں گے اور اس کے احکام سے واقف نہ ہوں گے تو کل آخرت میں اللہ کے پاس مجرم ٹھہریں گے، یہ کلام رسول اللہ ﷺ کا زندہ معجزہ ہے، ہر پیغمبر کے معجزات ان کی زندگیوں کے ساتھ ختم ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کے بھی بہت سے معجزات آپ کی زندگی کے ساتھ ختم ہو گئے، لیکن اللہ نے دو معجزات کو زندہ رکھا ہے، ایک قرآن مجید اور دوسرے آپ کی زندگی کے حالات، یہ قیامت تک باقی رہیں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ عصا انہی کے ساتھ ختم ہو گیا، آج اگر کوئی اس عصا کو لا کر اس کا اثر دِکھانا چاہے تو نہیں دِکھا سکتا، وہ صرف ایک

لکڑی ہوگی، اسی طرح نہ ید بیضاء کا معجزہ دکھا سکتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں کوئی ان کا ماننے والا آج مٹی کی چڑیا بنا کر پھونک مارے تو وہ اُسے زندہ نہیں کرسکتا اور نہ مردے سے بات کرسکتا ہے، مگر قرآن ایک ایسا معجزہ ہے جو آج سے چودہ سو سال پہلے بھی اپنا اثر دِکھایا اور آج بھی اگر کوئی امت مسلمہ کا دیندار امتی اس کو انسانوں کے سامنے پیش کرے اور سمجھائے تو یہ اپنا اثر دکھاتا ہے، چنانچہ ہزاروں پڑھے لکھے انسان آج بھی متاثر ہورہے ہیں، اسی معجزہ کی وجہ سے حضرت جبرئیلؑ روح الامین بنے، اسی معجزہ کی وجہ سے رمضان کا مہینہ افضل اور شان والا بنا، اسی معجزہ کی وجہ سے اس کی ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر بنی اور شب قدر کہلاتی ہے، اسی معجزہ کی وجہ سے مکہ مقدس شہر بنا، اسی معجزہ کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین بنے، اسی معجزہ کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کو قیامت تک کے لئے مقام و مرتبہ ملا، صاحبِ قرآن کی برکت سے یثرب مدینہ بنا، یہی معجزہ تمام آسمانی کتابوں کا نچوڑ، سرچشمہ اور لبِّ لباب ہے۔

تمام آسمانی کتابیں اسی کا حصہ تھیں، یہ وہ معجزہ اور کتاب ہے کہ آج تک اس سے بہتر عقائد و عبادات کے طریقے، معاشرتی آداب، اخلاقیات، معاملات کے اصول کوئی دوسری کتاب نہیں دے سکی۔

یہ وہ معجزہ ہے جس کی قراءت سے انسانوں کی روح جاگ اُٹھتی ہے اور دنیا کی کوئی موسیقی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی، یہ وہ معجزہ ہے جس پر ایمان لانے کے بعد انسان دوسرے تمام انسانوں میں ممتاز ہوجاتا ہے اور اس پر عمل کرنے سے دنیا اور آخرت میں کامیاب اور بہترین زندگی گذارتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عرب سے پیار و محبت کیا کرو، اس لئے کہ میں عرب میں سے ہوں، قرآن عربی میں نازل ہوا، جنتیوں کی زبان عربی ہے۔

☆☆☆☆

نصیحت حاصل کرنے کے لئے قصۂ یوسفؑ کو ذہن میں رکھیں!

الٓرٰ ۔ تِلْکَ آیَاتُ الْکِتَابِ الْمُبِیْنِ ٥ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآناً عَرَبِیّاً لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُونَ ٥ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْکَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَیْنَا إِلَیْکَ هَـذَا الْقُرْآنَ وَإِن کُنتَ مِن قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِیْنَ ٥ (سورۂ یوسف:۱تا۳)

ترجمہ:۔ یہ اس کتاب کی آیتیں ہیں جو حق واضح کرنے والی ہے، ہم نے اس کو ایسا قرآن بنا کر اُتارا ہے جو عربی زبان میں ہے؛ تاکہ تم سمجھ سکو، ہم نے تم پر قرآن جو وحی کے ذریعہ بھیجا ہے اس کے ذریعہ ہم تمہیں ایک بہترین واقعہ سناتے ہیں، جبکہ تم اس سے پہلے اس (واقعہ) سے بالکل بے خبر تھے۔

سورۂ یوسف مکی سورۃ ہے، اس کی دو تین آیتیں مدنی ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ نے یہ فضیلت دی تھی کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے، حضرت اسحاق علیہ السلام کے پوتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پڑپوتے تھے، یعنی پیغمبر بن پیغمبر بن پیغمبر کی اولاد ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کی اسی طرح تعریف فرمائی، اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کی طرح ان کے نام کی بھی سورۃ نازل فرمائی جو قیامت تک سورۂ یوسف کے نام سے پڑھی جائے گی، حضرت یوسفؑ اللہ کے بہت برگزیدہ اور محبوب بندے تھے، حضرت یعقوبؑ کے بعد انہی کو نبوت ملی، حضرت اسحاقؑ کی نسل حضرت یعقوبؑ سے چلی جو بنی اسرائیل کہلاتی ہے، اسرائیل حضرت یعقوبؑ کا نام ہے، اسرا: عبد، ایل: اللہ، یعنی عبداللہ، حضرت یعقوبؑ کو ان کی والدہ نے اپنے ماموں لابان کے پاس بھیج دیا، ان کی دو بیٹیاں تھیں، بڑی کا نام لایا اور چھوٹی کا نام راحیل تھا، حضرت یعقوبؑ چھوٹی بیٹی سے نکاح کے خواہشمند تھے، مگر ان کے ماموں وہاں کی رسم کے لحاظ سے پہلے چھوٹی بیٹی کا نکاح کرنے تیار نہیں ہوئے اور پہلے بڑی بیٹی سے نکاح کر دیا، اس کے چند سال بعد چھوٹی

سے نکاح کیا گیا، اس زمانہ میں دو بہنوں کا ایک آدمی کے نکاح میں جمع ہونا شرعاً ممنوع نہ تھا، حضرت موسیٰ کے زمانہ سے منسوخ ہوگیا، تورات میں ہے کہ حضرت یعقوبؑ کی دو بیویاں اور دو باندیاں تھیں، لابان نے دونوں بیٹیوں کو دو باندیاں دی تھیں، دونوں نے اپنی باندیاں اپنے خاوند حضرت یعقوبؑ کو ہبہ کردیا، اس طرح حضرت یعقوبؑ کو ۱۲ لڑکے تھے، ۴ بچے دو عورتوں سے اور ۶ لڑکے لایا سے اور دو راحیل سے تھے، چھوٹی بیوی راحیل بہت خوبصورت تھیں، ان کو بہت زمانہ تک حمل نہ ٹھہرا، جب یعقوبؑ ۹۱ سال کے ہوئے تو حضرت یوسفؑ، راحیل سے پیدا ہوئے، اس کے بعد انہی سے بنیامین پیدا ہوئے، ان کے پیدا ہونے کے بعد راحیل کا انتقال ہوگیا۔

ماں کے انتقال کے بعد حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ و بنیامین کو اپنی بہن کے گھر پر پرورش کے لئے چھوڑ دیا، وہ حضرت یوسفؑ کو بہت زیادہ پیار کرتی تھیں، جب دو تین سال بعد حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کو واپس مانگا تو انہوں نے ایک چال چلی اور حضرت اسحاقؑ کا ایک کمر کا پٹکا یوسفؑ کی کمر میں کپڑوں کے نیچے باندھ دیا، پھر پٹکا چوری ہونے کی افواہ پھیلادی، ڈھونڈنے پر پٹکا یوسفؑ کی کمر سے نکلا، تب پھوپی نے چوری کا جھوٹا الزام لگا کر ان کو مزید اپنے پاس ہی روک لیا، پھر کچھ سالوں بعد پھوپی کا انتقال ہوگیا، دونوں بھائی حضرت یوسفؑ و بنیامین حضرت یعقوبؑ کے پاس پرورش پائے، حضرت یعقوبؑ ان دونوں کو اپنے قریب رکھتے، بہت پیار کرتے تھے، ایک رات حضرت یوسفؑ نے ایک خواب دیکھا اور والد کے سامنے عرض کیا: مجھے ایک لباس فاخرہ پہنایا گیا کہ جس کی جھلک سے زمین منور ہوگئی اور گیارہ ستارے، سورج، چاند مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں، اس خواب کو سن کر والد نے کہا: یہ خواب تم اپنے بھائیوں سے بیان مت کرنا، ورنہ شیطان ان کو تمہارے خلاف دشمن کی چال چلائے گا، اللہ نے جس طرح آباء کرام حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسحاقؑ کو نبوت دی تم کو بھی نبوت سے سرفراز فرمائے گا۔

حضرت یوسفؑ کی سوتیلی ماں لایا نے جوان کی خالہ بھی تھیں باپ بیٹے کی باتیں

سن کر دوسرے بھائیوں کو بتلا دیا اور وہ سمجھنے لگے کہ حضرت یوسفؑ ہی ہمارے والد کی نبوت کے وارث ہوں گے اور ہم محروم رہیں گے، ان میں حسد وجلن پیدا ہوگئی۔

تمام بھائی سوچنے لگے کہ ہم ایک جماعت ہیں، نوجوان وطاقتور ہیں، خاندان کی حفاظت اور پورے کاروبار سنبھالتے ہیں، والد بہک گئے ہیں، ان دو چھوٹے بچے جوان کے کام کے نہیں، نہ مدد کر سکتے ہیں، ان کو ہمارے مقابلہ میں بہت زیادہ پیار کرتے اور قریب رکھتے ہیں، ان کو بنیامین سے زیادہ حضرت یوسفؑ سے حسد جلن بڑھ گئی، انہوں نے مل کر حضرت یوسفؑ کو قتل کرنے یا کہیں دوسرے شہر لے جا کر فروخت کرنے کا منصوبہ بنایا، ایک دن سب نے اپنے والد حضرت یعقوبؑ سے کہا: آپ ہم پر یوسفؑ کے معاملہ میں بھروسہ کیوں نہیں کرتے؟ کیا ہم اس کے دشمن ہیں؟ کل ہمارے ساتھ اس کو کھیلنے کے لئے ساتھ بھیج دیجئے، کنعان کے علاقہ میں بھیڑیئے بہت تھے، حضرت یعقوبؑ نے کہا: مجھے ڈر لگتا ہے کہ تم لوگ کھیل کود میں مصروف رہ کر یوسفؑ سے غافل نہ ہو جانا! ورنہ اُسے بھیڑیا نہ کھا جائے، اس پر بھائیوں نے یقین دلایا اور کہا: ہم اتنے بھائی ہو کر اگر یوسفؑ کی حفاظت نہ کریں تو ہم ناکارہ اور بیکار ہیں۔

حضرت یعقوبؑ نے اللہ پر بھروسہ کر کے حضرت یوسفؑ کو کھیل کود کے لئے بھائیوں کے ساتھ جنگل بھیج دیا، ان کو وداع کرنے دور تک ساتھ گئے اور سب سے وعدہ لیا کہ وہ یوسفؑ کا پورا پورا خیال رکھیں گے، جب تک والد ساتھ تھے، سب نے یوسفؑ کے ساتھ محبت وچاہت دکھائی، جیسے ہی والد چلے گئے تو یوسفؑ کو مارنا شروع کر دیا، کوئی تھپڑ مارتا، کوئی گردن میں ہاتھ ڈال کر ڈھکیلتا، جب یہ کسی کے پیروں میں گرتے تو وہ لات سے انہیں دور ڈھکیل دیتا، حضرت یوسفؑ سب بھائیوں سے روتے ہوئے رحم کی درخواست کرتے، والد سے کئے ہوئے وعدہ کو یاد دلاتے، مگر سب نے خواب کا ذکر کر کے ستاروں سے مدد لینے کا طعنہ دیا، کہا: تجھے تو بڑا مقام ملنے والا ہے، اللہ نے بڑے بھائی یہودا کے دل میں ہمدردی ڈالی، اس نے کہا کہ انہیں قتل مت کرو، یہ بہت ہی بڑا گناہ ہے، شیطان نے

ان کو یہ احساس دلایا تھا کہ پہلے قتل کر دو پھر اللہ سے توبہ کرلیں گے، یہودا نے ان کو قتل سے روکا اور کہا کہ اگر تمہیں باپ سے دور کرنا ہی ہے تو ایسے سوکھے کنویں میں ڈال دو، وہاں سے یا تو کوئی مسافر قافلہ نکال کر دوسرے شہر میں غلام بنا کر لے کر چلا جائے گا یا وہاں زہریلے جانور کاٹ کھائیں گے، اس منصوبہ پر سب نے اتفاق کرلیا۔

حضرت یوسفؑ کا کرتا اُتار کر ان کے ہاتھوں کو پیٹھ کی طرف باندھ کر کنویں کے ڈول میں بیٹھا کر ایک سوکھے کنویں میں اُتارا اور اتارنے کے بعد اوپر سے رسّی کاٹ دی، حضرت یوسفؑ نے بہت منت سماجت کی، مگر کسی نے نہیں سنا، اوپر سے پتھر بھی ڈالنا چاہا تو یہودا نے منع کیا، انہوں نے یہودا کو بھی کہا: زیادہ طرفداری کر کے والد صاحب کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کرے گا تو اُسے بھی سب مل کر مار ڈالیں گے۔

پھر شام کو جھوٹا رونا روتے ہوئے والد کے سامنے آئے اور حضرت یوسفؑ کی قمیص کو بکری کا خون لگا کر لائے اور پیش کر کے کہا کہ یوسفؑ کو چھوڑ کر ہم کھیل میں دور نکل گئے تھے، بھیڑیئے نے اُسے کھالیا، حضرت یعقوبؑ نے جیسے ہی یہ بات سنی بیہوش ہوگئے، ہوش آنے کے بعد کُرتا مانگا، دیکھا کہ کُرتا کہیں سے پھٹا ہوا نہیں تھا، وہ سب اپنے جھوٹ پر کچھ نہ کہہ سکے، روایات میں ہے کہ انہوں نے اپنی سچائی ثابت کرنے ایک بھیڑیئے کو بھی لایا تھا، وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ اللہ بھیڑیئے کو بات کرنے کی صلاحیت دے گا، حضرت یعقوبؑ نے پوچھا: بتا تو نے یوسفؑ کو کھایا ہے؟ اس نے فوراً کہا: میں نے یوسفؑ کو نہیں کھایا، پھر حضرت یعقوبؑ نے کہا: میں صبر جمیل کروں گا، تمہارے منصوبہ نے تم پر ایک بات آسان کردی، ان کا خیال تھا کہ ہم یوسفؑ کو والد سے دور کردیں گے تو والد اس کی محبت کو بھول جائیں گے اور دور کرنے کے بعد ہم باپ کو منالیں گے۔

جس وقت کنویں میں حضرت یوسفؑ کو ڈالا گیا اس وقت ان کی عمر تقریباً ۱۷ سال تھی، اللہ نے غیب سے مدد کر کے حضرت جبرئیلؑ کے ذریعہ ان کو ایک محفوظ پتھر پر بیٹھا دیا اور ان کو وحی والہام کے ذریعہ یہ احساس دلایا کہ تم ضائع نہیں ہوگے؛ بلکہ بچا کر کنویں سے نکال

لئے جاؤ گے، یہ بھائی ایک دن تمہارے ہی سامنے مجبور ومحتاج بن کر آئیں گے۔

حضرت یوسفؑ تین دن تک کنویں میں رہے، یہودا ہر روز آکر دیکھتا اور کچھ کھانا وغیرہ اوپر سے پھینکتا تھا، اور یہ بھی دیکھتا کہ کہیں کوئی یوسفؑ کو کنویں سے نکال تو نہیں لیا، اللہ تعالیٰ کی حکمت سے ایک قافلہ بھٹک کر پانی کی تلاش میں اس کنویں کی طرف آیا اور ایک آدمی کو پانی لانے کے لئے کنویں پر بھیجا، جیسے ہی ڈول اندر ڈالا اللہ نے یوسفؑ کو الہام کیا کہ رسّی پکڑ کر اس ڈول میں بیٹھ جاؤ، حضرت یوسفؑ نے سمجھا کہ بھائیوں کو رحم آگیا ہوگا، اوپر آنے کے بعد ڈول والے نے دیکھا کہ ایک انتہائی خوبصورت لڑکا ڈول میں آیا ہے، خاموشی سے لاکر اپنے قافلہ میں چھپالیا، یہودا ہر روز آتا تھا، دیکھا کہ یوسفؑ کنویں میں نہیں ہے، بھائیوں کو اطلاع دی، سب نے تلاش کیا اور قافلہ والوں کے پاس پایا، ان سے کہا کہ یہ ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے، اپنی زبان میں یوسفؑ کو اشارہ کیا کہ وہ بھائی نہ کہے، ورنہ بہت بُرا ہوگا، قافلہ سے کہا: یہ بھاگ کر آگیا ہے، یہ چور ہے، اگر تم خریدنا چاہتے ہو تو خریدلو، اور دوسرے شہر لے جاکر فروخت کرلینا، اس پر 20/درہم کھوٹے سکے قیمت لیکر اطمینان کی سانس لی اور چلے گئے، جاتے ہوئے کہا کہ یہ بھگوڑا ہے، اس کو رسّی سے باندھ کرلے جاؤ، ان کو ڈر تھا کہ کہیں بھاگ کر والد کے پاس نہ چلا آئے، روایات میں ہے کہ حضرت یعقوبؑ کو ایک فرشتہ نورانی شکل میں نظر آیا، پوچھا: تم کون؟ اس نے کہا: عزرائیل فرشتہ ہوں، تب حضرت یعقوبؑ نے پوچھا: کیا تم نے میرے بیٹے یوسفؑ کی جان نکالی؟ اس نے انکار میں جواب دیا۔

حضرت یوسفؑ مصر میں داخل ہونے سے پہلے پورے قافلے نے دریائے نیل میں غسل کیا اور پھر یہ قافلہ ایک مکان میں ٹھہرا، لوگ حضرت یوسفؑ کے حسن وخوبصورتی سے متاثر ہوکر جمع ہونا شروع ہوگئے، ان لوگوں نے یوسفؑ کو چھپالیا اور دیدار کرانے کے لئے ایک اشرفی وصول کی، اس طرح پہلے دن قریب ایک ہزار اشرفیاں جمع ہوگئیں، پھر اعلان کیا کہ کل ہم مصر کے بازار میں اس حسین وخوبصورت غلام کو فروخت کرنے لے جائیں گے، یہ

بات عوام کے ذریعہ شاہی محلات میں بھی عام ہوگئی کہ کنعان کا ایک بے حد حسین وخوبصورت غلام لڑکا کل مصر کے بازار میں فروخت ہونے والا ہے، بازار میں انہوں نے اعلان کیا کہ کون ہے جو اعلیٰ نسب والے غلام کو خریدے؟ کون ہے عقلمند اور دانا غلام کا خریدار؟ حضرت یوسفؑ غلام غلام کہہ کر بولی لگائے جانے پر رونے لگے، سب سے پہلی بولی ایک لاکھ اشرفیوں سے شروع ہوئی، بڑھتے بڑھتے آپ کے وزن کے برابر سونا اور چاندی پر فروخت ہوئے، (تفسیر مظہری) اور عزیز مصر حضرت یوسفؑ کا چہرہ دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ یہ بچہ کوئی ادنیٰ گھرانے کا نہیں، اس کا شاندار مستقبل ہے، اس نے حضرت یوسفؑ کے لئے سب سے بڑی قیمت ادا کی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: تین لوگ بڑے سمجھ دار، قیافہ شناس اور صاحبِ فراست گذرے، عزیز مصر، جس نے حضرت یوسفؑ کے چہرے سے ان کے شاندار مستقبل کا اندزہ کرلیا تھا، حضرت شعیبؑ کی بیٹی صفوراء، جنہوں نے حضرت موسیٰؑ کو ایک جھلک میں پہچان لیا کہ طاقتور، دیانت دار وامانت دار ہیں، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ (روح المعانی، ابن کثیر)

حضرت یوسفؑ کو گھر لایا اور بیوی سے کہا: بڑا پیارا لڑکا ہے، اس کے آرام کا خیال رکھنا، دل آزاری نہ کرنا، اس کی شکل وصورت کسی شاندار مستقبل کا اشارہ کرتی ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ ہمارے لئے فائدہ مند ثابت ہوجائے، ہم اِسے بیٹا بنالیں، اللہ نے عزیز مصر کے دل میں حضرت یوسفؑ کی محبت ڈال کر اپنے غالب اور قادر ہونے کو ظاہر کیا، حضرت یوسفؑ اپنی فرمانبرداری، امانت داری، دیانت داری اور خدمت سے عزیز مصر کے دل میں مقام و مرتبہ پیدا کرچکے تھے، اس نے آپ کی صلاحتیں دیکھ کر گھر کے سارے انتظامات، مہمانوں کی دیکھ بھال اور اخراجات وغیرہ سب کچھ ان کے ذمہ کردیا، اس وقت ان کی عمر قریب ۱۸ر سال تھی، دوتین سال اس کے پاس رہے۔

عزیز مصر کی بیوی زلیخا جو جوان تھی، وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے ناجائز تعلقات قائم کرنے کا منصوبہ بنا رہی تھی، اور مختلف طریقوں سے ان پر ڈورے ڈال رہی تھی، حضرت یوسفؑ پر اللہ کی محبت سب سے زیادہ غالب تھی، اسی کے گھر میں جوان ہوئے اور

وہیں جوانی کے بعد اللہ نے پیغمبری عطا فرمائی، وہ پہلے ہی سے حضرت یعقوبؑ کے ساتھ پیغمبرانہ صفات کی تربیت پا چکے تھے، پھر سلسلہ نبوت سے جو روشنی جذب کی تھی اس کی وجہ سے بھرپور جوانی میں بھی دنیا کی لذتوں سے دور تھے، آخر ایک دن زلیخا اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکی، دروازے بند کر دیئے اور حضرت یوسفؑ کو اپنی خواب گاہ میں کھلے طور پر زنا کی دعوت دے دی، حضرت یوسفؑ نے اس کو اللہ سے ڈرایا اور اس کے شوہر کی ان پر عنایتوں، مہربانی اور عزت عطا کرنے کا ذکر کیا، بچنے کے لئے دروازے کی طرف بھاگے، جس طرف بھاگے وہاں کے قفل ٹوٹ گئے، زلیخا پیچھا کرتے ہوئے آپ کی قمیص پیچھے سے پکڑنے کی کوشش کی تو وہ پھٹ گئی، دروازہ کھلتے ہی عزیز مصر اور زلیخا کا ایک رشتہ دار سامنے کھڑے تھے، زلیخا نے شوہر اور اپنے رشتہ دار کو دیکھتے ہی فوراً یوسفؑ پر جھوٹا الزام لگا دیا کہ یہ تمہاری گھر والی کی عزت وعصمت لوٹنا چاہتا ہے، حضرت یوسفؑ نے عزیز مصر سے کہا: میرے مشفق ومہربان آقا! یہ بہتان اور الزام ہے، خود انہوں نے میرے ساتھ بُرا ارادہ کیا تھا اور میں ان سے بچنے کے لئے بھاگ رہا تھا، اس پر عزیز مصر سوچ میں پڑ گیا، زلیخا کا رشتہ دار جو ساتھ تھا اس نے کہا: اگر یوسف کا کُرتا پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو عورت مجرم ہے اور اگر سامنے سے پھٹا ہے تو مرد مجرم ہے، دیکھا گیا کہ یوسفؑ کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا ہے، عزیز مصر سمجھ گیا کہ یہ زلیخا کی زیادتی ہے، اس نے اُسے بُرا بھلا کہا اور ڈانٹ ڈپٹ کی اور یوسفؑ سے کہا: معاف کر دو! بات کو یہیں ختم کر دو، باہر جانے مت دو۔

گھر کے نوکروں اور خادماؤں سے بات محل کے باہر چلی گئی اور تمام شاہی گھروں میں زلیخا کے تعلق سے یہ بدنامی پھیلنا شروع ہوگئی کہ وہ اپنے غلام کی دیوانی ہے، اس پر مر مٹتی ہے، اس پر زلیخا نے کچھ شاہی خاندان کی عورتوں کو دعوت دے کر بلایا اور پھل ہاتھوں میں دے کر ایک ایک چھری بھی ہاتھ میں پکڑا دی اور حضرت یوسفؑ جو کہ اس کے غلام تھے کمرے سے باہر آنے کو کہا، جیسے ہی حضرت یوسفؑ باہر آئے تو عورتوں پر نشہ سا چھا گیا، وہ پھل کاٹتے کاٹتے بے خیالی میں یوسفؑ کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ گئیں اور کہا: یہ تو

انسان نہیں فرشتہ ہے! حدیث میں ہے کہ پوری دنیا کی عورتوں اور مردوں کے مجموعی حسن سے زیادہ حسن ان کو دیا گیا تھا، واقعی ان کو دیکھنے کے بعد کوئی اپنے آپ کو قابو میں نہیں رکھ سکتا تھا، سب حضرت یوسفؑ کی دیوانی ہوگئیں اور پھر موقع سے ان پر ڈورے ڈالنے لگی، زلیخا نے سب عورتوں کے سامنے بے حیائی سے کہا کہ اگر یہ میری بات نہ مانا تو ذلیل کردیا جائے گا، آخر کار اس نے اپنے منصوبہ کی ناکامی دیکھ کر حضرت یوسفؑ سے انتقام لینے کے لئے اپنے شوہر سے کہا کہ یہ ہر جگہ آپ کی بیوی کو بدنام کررہا ہے، اُسے جیل بھیج دیجئے، (تفسیر مظہری) عورتوں کا مکروفریب بڑے بڑے عقلمند مردوں کی عقلوں کو تباہ کردیتا ہے۔

دوسری عورتوں کے شوہروں نے بھی شہر میں اپنی عورتوں کی بہت بدنامی ہونے لگی تو یہ فیصلہ کیا کہ یوسف کو جیل بھیج دیا جائے تاکہ یہ بات ہی لوگوں کے دل ودماغ سے نکل جائے اور اپنی عورتوں کو اس فتنہ سے بچانے کے لئے جیل بھیج دینا ہی مناسب سمجھا۔

ادھر حضرت یوسفؑ یہ حالت دیکھ کر اللہ سے دعا کی کہ میں زانی ماحول میں رہنے کے بجائے اللہ مجھے جیل میں بھیج دے تو میں اللہ کی نافرمانی اور بغاوت سے بچ جاؤں گا، اس ماحول سے قید میں رہنا مجھے پسند ہے، لیکن تیری نافرمانی پسند نہیں، اللہ نے دعا قبول فرمائی اور شاہی خاندان والوں نے حضرت یوسفؑ کو بغیر مقدمہ اور جرم ثابت کئے جیل بھیجنے کا حکم سنادیا، مصر میں غلاموں پر آقاؤں کو غیر محدود اختیارات حاصل تھے، وہ بغیر مقدمہ کے جیل بھیج دیتے تھے، ان کو گدھے پر سوار کرکے ڈھول پیٹا گیا اور مصر کے بازاروں میں آواز لگائی گئی کہ عبرانی غلام یوسف نے اپنی ملکہ کو ورغلانے کی کوشش کی، اب اُسے جیل کی سزادی جارہی ہے، وہی عزیز مصر جس نے سونے چاندی کے وزن سے حضرت یوسفؑ کو خریدا تھا، بیوی کی غلامی میں اس کی خوشنودی کی خاطر جانتے ہوئے بھی کہ حضرت یوسفؑ مجرم نہیں ہیں، نفع بخش غلام، منہ بولے بیٹے کو اسی مصر کے بازار میں رسوا اور ذلیل کررہا تھا، جیل چوروں، ڈاکوؤں اور قاتلوں کا گھر ہوتا ہے، وہاں جانے کے بعد حضرت یوسفؑ ہر ایک سے ہمدردی کرتے، ان کی مدد کرتے، غمزدہ کی دلداری کرکے اس کو ہمت دلاتے، مظلوم کو

صبر کرنے کی تلقین کرتے، بیمار ہوتو اس کی عیادت کرتے رہتے، زخمی کی مرہم پٹی کرتے اور عبادتِ الٰہی، اللہ کی توحید کا سبق دیتے رہتے تھے، اس کی وجہ سے جیل کے تمام قیدی حضرت یوسفؑ کے حسن و جمال کے ساتھ ساتھ آپ کی سیرت و کردار سے مانوس ہو کر ان کے دیوانے بن گئے، جیلر نے جیل میں امن وسکون پیدا کرنے حضرت یوسفؑ پر مکمل بھروسہ کرکے آپ کا شیدائی بن گیا تھا، وہاں ۸ یا ۹ سال رہے، جیل میں آپ نے قیدیوں کو توحید کی تعلیم دی اور اپنے باپ دادا حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاق، حضرت یعقوبؑ کا تعارف کروایا، گویا رسالت سمجھا کر آخرت سے ڈرایا اور ایمان کی تعلیم دی، اللہ نے آپ کو خواب کی تعبیر بتلانے کا علم سکھایا تھا، قیدیوں میں دو قیدی بادشاہ کو زہر دینے کے الزام میں جیل میں ڈالے گئے تھے، ان میں سے ایک کو خواب آیا کہ انگور سے رس نچوڑ رہا ہے، اور دوسرے کا خواب تھا کہ اس کے سر پر روٹیوں کا تھال رکھا ہوا ہے، پرندے نوچ کر کھا رہے ہیں، حضرت یوسفؑ نے ان کو ان کے خوابوں کی تعبیر یہ بتلائی کہ پہلا والا بادشاہ کو شراب پلائے گا، دوسرے کو یہ تعبیر بتائی کہ وہ قتل کردیا جائے گا، حضرت یوسفؑ وحی کے ذریعہ جانتے تھے کہ کون سزا سے چھوٹ جائے گا، اس سے کہا کہ تم بادشاہ سے قریب رہو تو میرا تذکرہ کرنا کہ ایک بے قصور انسان کو سالوں سے قید میں رکھا گیا ہے۔

سب قیدی حضرت یوسف علیہ السلام سے بہت محبت کرتے تھے، تو انہوں نے قیدیوں سے کہا کہ: تم لوگ مجھ سے محبت مت کرو، پھوپی نے محبت کی تو چوری کا الزام لگا، والد نے محبت کی تو ان سے بچھڑ گیا، زلیخا نے محبت کی تو جیل میں آ گیا، شیطان نے رہا ہونے والے قیدی سے بادشاہ کے سامنے تذکرہ کرنے سے بھلا دیا، جس کی وجہ حضرت یوسفؑ کو مزید کئی سال تک جیل میں رہنا پڑا۔

پھر بادشاہ کو ایک خواب آیا کہ ’’سات گائیں موٹی ہیں جو سات دبلی گائیوں کو کھا رہی ہیں اور سات بالیاں سرسبز ہیں اور سات خشک ہیں‘‘، اس پر بادشاہ نے دربار کے تمام ماہرین سے خواب کی تعبیر پوچھی، اس زمانہ کے لوگوں میں خواب کی تعبیر بیان کرنے کا فن

بہت عام تھا، مگر کوئی بھی بیان نہیں کرسکا، اسی وقت ساقی مجرم کو حضرت یوسفؑ یاد آئے، اس نے کہا: بادشاہ سلامت! اس خواب کی تعبیر بتلانے والے جیل میں ہیں، آپ اجازت دیں تو میں ان سے تعبیر معلوم کرکے آتا ہوں، بادشاہ نے اُسے فوراً جیل جانے کی اجازت دیدی، وہ آیا اور حضرت یوسفؑ سے بادشاہ کا خواب بیان کیا اور تعبیر دریافت کی، حضرت یوسفؑ نے وحی سے تعبیر بتلادی اور ساتھ ہی آپ نے ان کو قحط سالی سے بچانے کی تدبیر بھی بتادی، جب درباری واپس جاکر بادشاہ کو خواب کی پوری تعبیر اور بچاؤ کی تدبیر سنائی تو بادشاہ حضرت یوسفؑ سے ملنے کے لئے بے قرار ہوگیا اور اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی، اس نے کہا: ایسے انسان کو جیل میں رکھنا ظلم ہے، اس کو باہر لاؤ تاکہ میں اس کا دیدار کروں، ہم کلامی کی سعادت حاصل کروں۔

حضرت یوسفؑ نے خواب کی تعبیر بتلانے میں بخل سے کام نہیں لیا اور نہ رہائی کی شرط لگائی؛ بلکہ اپنے اوپر لگے ہوئے الزام کو ختم کرکے نکلنے کی شرط رکھی، درباری سے کہا کہ پہلے ان عورتوں کے بارے میں پوری تحقیق کی جائے جنہوں نے مجھ پر جھوٹا الزام لگایا، یہ وقت ان کے لئے بہترین تھا کہ اصل معاملہ کی صورت حال سامنے آجائے۔

بادشاہ ان کی بلند ہمتی اور اعلیٰ ظرفی سے بہت متاثر ہوا اور تمام عورتوں اور زلیخا کو دربار میں بلایا اور ان سے پوری تحقیق کی، اس پر سب نے اپنی غلطی کا اقرار کیا اور حضرت یوسفؑ کو بے گناہ کہا، اس طرح سب کے اظہار پر زلیخا نے بھی اپنے کو مجرم کہا اور حضرت یوسفؑ کی پاک دامنی کا اقرار کیا، درباری یہ تمام باتیں آکر حضرت یوسفؑ کو جیل میں سنایا، اللہ نے ان کی رہائی کا اس طرح باعزت اور بے مثال انتظام کیا۔

جب کسی کام کے ہونے کا وقت آتا ہے تو تقدیر الٰہی سے وہ اسباب اور حالات بننا شروع ہوجاتے ہیں اور سرکاری طور پر حضرت یوسفؑ کو عزت وشان کے ساتھ دربار میں لے جایا گیا، بادشاہ نے جب حضرت یوسفؑ کی اعلیٰ ظرفی، خودداری اور نفس کی پاکی دیکھی اور سنی، اپنے قریب بلایا اور بٹھایا، اور ان کی گفتگو سے متاثر ہوتا گیا، بادشاہ دوبارہ حضرت

یوسفؑ سے خواب کی تعبیر اور اس کی حفاظت کی تدبیر سنانے کی خواہش کی اور ملکی مسائل، سیاسی حالات اور معاشی بحران کے مسائل پر گفتگو کی، اور پھر اپنے درباریوں میں قحط سے بچاؤ کے انتظامات کرنے کی صلاحیت نہ ہونے کا اظہار کیا، اور معاشی حالات کو سدھارنے کے لئے عوام کو پریشانی سے بچانے کی آپ سے مدد مانگی، اس پر حضرت یوسفؑ نے خزانوں کی ذمہ داری ان کے ذمہ دینے کے لئے کہا، پھر ایک سال بعد بادشاہ سوائے تخت نشینی کے سارے ملک پر اقتدار حضرت یوسفؑ کو دے دیا، اس وقت ان کی عمر ۳۰ رسال تھی، حضرت یوسفؑ کی محنتوں سے بادشاہ اور ہزاروں لوگ اسلام لے آئے۔

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ: شام کے کچھ باشندے قحط کے زمانہ میں جب مصر سے غلہ لے کر واپس ہو رہے تھے، کنعان میں حضرت یعقوبؑ پیغمبر ہونے کی وجہ سے ان سے ملے اور ان کے سامنے حاکم مصر کی خوب تعریف کی کہ وہ بڑے محبت کرنے والے، عزت کرنے والے، غریبوں، مسکینوں اور محتاجوں کے حالت پر بہت رحم کرنے والے ہیں، دوسروں کو کھلا کر خود بھوکے رہتے ہیں، سب کی جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت کرتے ہیں، عدل و انصاف کرنے والے ہیں، یہ سن کر حضرت یعقوبؑ نے کہا: یہ اوصاف تو کسی پیغمبر میں ہی جمع ہو سکتے ہیں، میں کمزور، ضعیف اور بوڑھا نہ ہوتا، آنکھ باقی رہتی تو اس عظیم انسان سے ملاقات کے لئے ضرور مصر جاتا۔

حضرت یوسفؑ ایک زمانہ سے مصر میں رہ کر اپنے والد کو مصر میں رہنے کی اطلاع نہیں دی تھی، تفسیر قرطبی میں ہے کہ اللہ نے ان کو مصر میں اپنی موجودگی کی اطلاع دینے سے منع کیا تھا، جب قحط کنعان میں بھی زور پکڑا تو حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو مصر جا کر حاکم مصر سے درخواست کر کے غلہ لانے کو کہا، حضرت یوسفؑ قحط سالی کے زمانہ میں خود بھی بھوکے رہتے تھے، حالانکہ سارا غلہ آپ کے قبضہ میں تھا، کہتے کہ میرا پیٹ بھرا ہوگا تو اندیشہ ہے کہ میں بھوکوں کو بھول جاؤں گا، حضرت یوسفؑ مصر سے باہر سے آنے والے کو اونٹ بھر غلہ دیتے تھے، برادرانِ یوسفؑ مصر آئے اور بتلایا کہ ہم خانوادۂ نبوت سے

تعلق رکھتے ہیں، ہمارے والد حضرت یعقوبؑ اللہ کے پیغمبر ہیں، حاکم مصر سے اپنی پریشان حالی کا ذکر کر کے تھوڑے سے سکّے پیش کئے، حضرت یوسفؑ نے ان سے سارا حال سنا، پھر والد اور بنیامین کا بھی غلہ انہیں دے دیا اور دوبارہ آنے پر بنیامین کو بھی لانے کا حکم دیا اور کہا نہ لائے تو غلہ نہیں ملے گا، اور اپنے خدام سے ان کی بوریوں میں رقم واپس رکھ دینے کا حکم دیا، تاکہ انہیں گھر پہنچنے تک اس کا علم نہ ہونے پائے۔

جب بھائیوں نے گھر جا کر بوریاں کھولیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کی رقم بھی حاکمِ مصر نے ان کے غلہ کے ساتھ واپس کردی، پھر والد کے سامنے حاکم مصر کی خوب تعریف کی، اس کے بعد دوبارہ غلہ کے لئے جانے پر بنیامین کو لانے کی شرط بھی والد کو سنادی کہ اگر انہیں نہ بھیجا تو غلہ بھی نہیں ملے گا، بہر حال والد کو منا کر قسمیں کھا کر وعدہ پر وعدہ کر کے بنیامین کی حفاظت کا پورا بھروسہ دلایا اور مصر لے گئے، حضرت یعقوبؑ نے ان کو محل میں علاحدہ علاحدہ دروازوں سے داخل ہونے کا حکم دیا؛ تاکہ جماعت کی شکل میں دیکھ کر کوئی خطرہ پیدا نہ ہوجائے، حاکم مصر نے ان کو کھانے کے لئے ایک دوسرے کے سامنے دو دو بیٹھنے کو کہا، آخر میں بنیامین بچ گئے، انہوں نے سوچا کہ کاش یوسفؑ ہوتے تو میں ان کے ساتھ بیٹھتا، (تفسیر مظہری) تو حاکم مصر نے ان کو اپنے پاس بلا لیا، راستہ میں مصر آتے وقت بھائیوں نے بنیامین کو بھی بہت تنگ کیا تھا، انہوں نے کہا کہ آخر اس کو حاکم مصر نے کیوں بلایا ہے؟ بنیامین ان کے ساتھ سفر میں خوش نہیں تھے، اکیلے میں حضرت یوسفؑ نے ان کو اپنے ساتھ بیٹھا کر انہیں اپنا تعارف کروایا اور بتایا کہ وہی یوسفؑ ہیں، بنیامین اب اپنے بھائیوں کے ساتھ واپس جانے کے لئے تیار بھی نہیں تھے، حضرت یوسفؑ نے ان کو ایک منصوبہ کے تحت روکنے کی ترکیب بتلادی، پھر سرکاری سونے کے پیالے کی چوری کا الزام لگا کر بنیامین کو روک لیا، تب بھائیوں نے کہا: اس کا بھائی بھی بچپن میں چوری کیا تھا، یہ دونوں چور ہیں، ہم اس کے سوتیلے بھائی ہیں، بنیامین کو روک لیا گیا، اس پر یہودا نے پریشان ہوکر کنعان واپس جانے سے انکار کردیا اور بھائیوں کے ملنے تک مصر ہی میں ٹھہرا رہا۔

ان لوگوں نے واپس آ کر پھر باپ کو طعنہ دیا، یہ نہیں کہا کہ ہمارے بھائی نے چوری کی، کہا کہ تمہارے چہیتے اور پیارے بیٹے نے چوری کی، یہ سن کر والد پریشان ہو گئے اور کہا صبر ہی بہتر ہے، حضرت یعقوبؑ کو یقین تھا کہ حضرت یوسفؑ زندہ ہیں، انہوں نے مصر جا کر تینوں بیٹوں کو تلاش کرنے کی ترغیب دی، گویا یہ اللہ کی طرف سے ترغیب تھی، اور ایک خط بھی حاکم مصر کو لکھا، ''یہ خط یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم (علیہم السلام) کی جانب سے ہے عزیز مصر کی خدمت میں، حمد و ثناء کے بعد! میرے خاندان پر آزمائشوں اور بلاؤں کی بارش ہوتی رہی، میرے دادا ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا تھا، لیکن اللہ نے آگ ٹھنڈی کر دی، میرے والد اسحاق بھی آزمائشوں سے گذرے، اب میں اپنے بیٹے یوسفؑ کو بھی کھو چکا ہوں، بھیڑیئے نے اُسے کھا لیا، اس کی وجہ سے روتے روتے میری آنکھیں ختم ہو گئیں، بنیامین یہ بچہ میرے غم کا سہارا تھا، آپ نے چوری کے الزام میں اُسے گرفتار کر لیا، ہم اولادِ انبیاءؑ ہیں، ہم نے کبھی چوری نہیں کی اور نہ ہماری اولاد کوئی چور ہے، حضرت یوسفؑ کے پاس یہ برادران گئے اور اپنی تنگدستی کا اظہار کیا، عاجزی و انکساری سے غلہ مانگا اور بھائی کو چھوڑنے کے لئے والد کا خط حوالے کیا، اور اپنے آپ کو مستحق خیرات ثابت کیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے لرزتے ہاتھوں سے والد کا خط لے کر پڑھا، وحی کے ذریعہ حکم بھی آ گیا کہ والد محترم کو اطلاع دیں، اور پھر حضرت یوسفؑ نے پوچھا کہ: بتلاؤ! تم نے یوسفؑ کے ساتھ جو سلوک کیا تھا وہ تم کو یاد ہے؟ وہ جیسے ہی یوسفؑ کا نام سنے چونک پڑے، سوال سن کر پوچھا: کیا آپ یوسف تو نہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں میں یوسف ہی ہوں! اور یہ میرا بھائی بنیامین ہے، اب تک کی دو ملاقاتوں میں وہ حضرت یوسفؑ کے خاص حلیہ تاج اور شان و شوکت، رعب و دبدبہ وغیرہ سے اپنے ذہن کو اس طرف نہیں دوڑا پائے تھے کہ یوسفؑ اس مقام پر آ سکتے ہیں، اب وہ غور سے دیکھ کر ساری نشانیاں پہچان گئے، حضرت یوسفؑ نے ان سے کہا: یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ مجبور اور بے سہارا پر فضل و احسان ہے، جب بھائیوں نے یقین کر لیا کہ یہ یوسفؑ ہی ہیں، آج مصر کا تاج دار ہے،

ہم اس کے دربار میں بھکاری بن کر کھڑے ہیں، انتہائی عاجزی، ندامت اور شرمساری سے سر جھکا کر معافی مانگی، قصور و گناہ کا اعتراف کیا اور ان پر اللہ کے فضل و مہربانی کا اظہار کیا۔

حضرت یوسفؑ نے بھائیوں کو معاف کیا اور کہا کہ انتقام اور بدلہ تو دور کی بات ہے، تمہارے کئے ہوئے حرکات کا ذکر بھی میں نہیں کروں گا، اپنے بھائیوں کی درخواست پر اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے دعاءِ مغفرت بھی کی اور وحی کے حکم پر ان سے کہا کہ یہ میری قمیص لے جاؤ اور والد محترم کی آنکھوں پر ڈالو، ان کی بینائی لوٹ آئے گی، جیسے ہی یہ قافلہ مصر سے نکلا حضرت یعقوبؑ کو میلوں دور سے حضرت یوسفؑ کی خوشبو آنے لگی، اظہار کیا تو گھر کے لوگوں نے کہا کہ آپ پر یوسف کا خبط طاری ہوگیا ہے، اس لئے ایسا محسوس کر رہے ہیں، آخر کار قافلہ گھر آ گیا اور حضرت یوسفؑ کے حالات بیان کئے کہ وہ حاکم مصر ہیں، مصر کا اقتدار ان کے ہاتھ میں ہے، حضرت یعقوبؑ نے کہا مجھے اس کی حکومت سے کوئی واسطہ نہیں، یہ بتلاؤ اس کا دین کیا ہے؟ وہ کس دین پر ہے، جب بتلایا گیا کہ وہ اسلام پر ہیں تو مطمئن ہوگئے، روایات میں ہے کہ یہ کرتا دراصل حضرت ابراہیمؑ کو جنت سے لا کر آگ میں ڈالے جانے کے بعد اس سے بچانے کے لئے پہنایا گیا تھا، پھر وہ حضرت اسحاقؑ کے پاس رہا پھر ان کی وفات کے بعد حضرت یعقوبؑ کے پاس تھا، انہوں نے جنگل جانے کے وقت ایک چھوٹی سے ڈبی میں بند کر کے گلے میں ڈال دیا تھا، جسے کنویں میں ڈالے جانے پر حضرت جبرئیل نے آ کر ڈبی کھول کر وہ کرتا حضرت یوسفؑ کو پہنا دیا، وہی کرتا اب حضرت یعقوبؑ کی آنکھوں پر ڈالا گیا تو بینائی لوٹ کر آ گئی۔

سب لڑکوں نے والد محترم کے سامنے اپنی غلطی اور ظلم کا اقرار کیا، ندامت اور پشیمانی کے ساتھ معافی مانگی اور اللہ سے گناہ معاف کروانے کی التجا اپنے والد سے بھی کی ، والد نے فوراً دعا نہیں مانگی، حالانکہ ان کی بھی خواہش یہی تھی کہ اللہ ان کی خطاؤں کو معاف کر دے، مگر وہ چاہتے تھے کہ ان میں حقیقی ندامت و شرمساری پیدا ہو جائے اور اپنی خطاؤں پر نادم ہوں، دوسرے ظلم و زیادتی حضرت یوسفؑ کے ساتھ ہوئی تھی، اس

لئے وہ حضرت یوسفؑ کی مرضی معلوم کر کے خطاؤں کی معافی کی دعا اللہ سے کرنے کا وعدہ کیا، فوراً دعا نہیں کی۔

پھر ۹۳؍افراد پر مشتمل پورا خاندان مصر کی طرف روانہ ہوا، اس بڑے قافلہ کا حضرت یوسفؑ نے اپنے درباریوں اور شاہی فوج کے ساتھ اپنے خاندان کا استقبال کیا، پھر دربار میں حضرت یوسفؑ تخت پر آ کر بیٹھنے کے بعد سارے درباری، بھائیوں اور والد و والدہ نے آپ کی تعظیم میں سر جھکایا، آپ نے والد و والدہ کو تخت پر بیٹھا کر اللہ کی تقدیر کے منصوبہ کو خواب کی تعبیر میں یاد دلایا، حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں ۸۰؍سال حکومت کئے اور ۱۱۰؍سال کی عمر میں وفات پائی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں حضرت یوسفؑ جیسی پاکیزہ زندگی عطا فرمائے اور ان کی طرح رحمتوں برکتوں والے انعامات عطا فرمائے، آیئے اب اس واقعہ سے حاصل ہونے والی نصیحتوں پر غور کریں۔

☆☆☆☆☆

حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں نشانیاں ہیں

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِّلسَّائِلِينَ ٥ (یوسف:۷)

اس قصہ کو احسن القصص کہا گیا، یوں تو قرآن مجید میں پچھلی قوموں کے جو بھی حالات بیان کئے گئے ہیں وہ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے عبرت، نصیحت اور رہبری کے لئے ہیں، مگر عقل و ہوش رکھنے والوں کے لئے اس قصہ کے ہر پہلو میں بے انتہاء عبرتیں، حکمتیں، اور رہبری کے جوہر بھرے ہوئے ہیں، دوسرے واقعات میں ایک جگہ اتنی عبرتیں و نصیحتیں نہیں ہیں، قرآن نے جو بھی واقعات بیان کئے ہیں وہ نہ دل بہلائی کے لئے ہیں اور نہ وقت گذاری کے لئے ہیں اور نہ فرضی قصہ کہانیوں کی طرح ہیں، بلکہ ان تمام واقعات کے ذریعہ انسانوں کو زندگی کے مختلف شعبوں میں رہبری، رہنمائی و

ہدایت ملتی ہے، اس قصہ کی تاثیر اللہ نے یہ رکھی ہے کہ جو کوئی اس سورۃ کو سنے اور سمجھے تو اس کا اثر قبول کئے بغیر نہیں رہ سکتا، اس میں کوئی جھوٹ اور گھڑی ہوئی داستان نہیں ہے۔

زندگی میں عام انسانوں کو اس قسم کے حالات پیش آسکتے ہیں

سورۂ یوسف میں جو بھی حالات حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ پیش آئے وہ حالات دنیا کی اس زندگی میں عام انسانوں کے ساتھ بھی پیش آسکتے ہیں، ان حالات میں ایک ایمان والے کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ کے فرمانبردار بندوں کا طرز عمل کیا ہوتا ہے اور اللہ کے نافرمان اور غافل انسانوں کا طرز عمل کیا ہوتا ہے سمجھایا گیا، فرمانبردار بندے مشکل حالات میں کیسے اللہ کی اطاعت و بندگی کرتے ہیں اور نافرمان و غافل انسان شیطان کے بہکاوے میں کیسے بہک جاتے ہیں بتلایا گیا، غافل و نافرمان کیسے نفسانی خواہشات کا شکار ہوجاتے ہیں سمجھایا گیا، یہ قصہ انسانوں کو نہایت اہم اخلاقی اور بداخلاقی کے اعمال کو سمجھاتا ہے، یعنی اخلاق حسنہ اور اخلاق رذیلہ کی زبردست داستان ہے، جس کا ہر پہلو انسان کو کامیابی اور ناکامی کی زندگی کا سبق دیتا ہے اور اللہ کی اطاعت و بغاوت کیا ہے سمجھاتا ہے۔

سورۂ یوسف مشرکین مکہ پر پوری طرح صادق آتا ہے

یہودیوں نے مشرکین مکہ کو سکھایا کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی سچائی کا امتحان لینے کے لئے یہ سوال پوچھا جائے کہ بنی اسرائیل کے مصر جانے کی وجہ کیا تھی، حضرت یعقوبؑ کی اولاد شام سے مصر کیوں منتقل ہوئی؟ حضرت یوسفؑ سے متعلق جو واقعات ہیں ان کی تفصیل کیا ہے؟ یہودیوں نے کہا کہ اگر محمد ﷺ نبی نہیں ہیں تو ہرگز نہیں بتاسکیں گے۔

مشرکین عرب حضرت یوسفؑ کے قصہ سے بالکل واقف نہیں تھے، رسول اللہ ﷺ نے بھی کبھی یہ قصہ نہیں سنا تھا اور اس سے ناواقف تھے، مشرکین نے یہ خیال کیا کہ یا تو محمد ﷺ یہ قصہ بیان ہی نہیں کریں گے، یا یہودیوں سے دریافت کرنے کی کوشش کریں گے۔

☆ مگر اللہ نے وحی کے ذریعہ یہ پورا قصہ نازل کر کے مشرکین مکہ کے لئے ایک آئینہ کی طرح دِکھا دیا، جس میں ان کو اپنی پوری صورت دکھائی گئی، ان کی مکاریاں اور بداعمالیوں اور گمراہی کو برادرانِ یوسفؑ کی زندگی سے چسپاں کر کے الٹا مشرکین کے منہ پر مار دیا، یہودیوں کے پاس جتنی تفصیل تھی اس سے زیادہ اور صحیح تصویر بتلائی گئی، اس میں ایسے نکات سمجھائے گئے جس سے اہل کتاب بھی واقف نہیں تھے۔

☆ اس قصہ میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو ہمت دی گئی اور مشرکین مکہ کا آئندہ انجام کیا ہونے والا تھا وہ کس طرح ناکام اور بے عزت ہوں گے اس کو سمجھایا گیا، اس میں بتلایا گیا کہ قریش آج تم اپنے بھائی کے ساتھ وہی کچھ کر رہے ہو، جو حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے ان کے ساتھ کیا، جس طرح وہ حضرت یوسفؑ کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہو سکے اسی طرح تم بھی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہوسکو گے، جس طرح انہوں نے حضرت یوسفؑ کے ساتھ حسد، جلن اور بے رحمی کا سلوک کیا تم بھی وہی کر رہے ہو، جس طرح حضرت یوسفؑ کے بھائی مل کر ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے اور مجبور و محتاج بن کر اُسی بھائی کے قدموں میں گر کر معافی مانگنے اور مدد طلب کی، اسی طرح تم بھی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے آگے مجبور و محتاج بن جاؤ گے اور معافی مانگو گے، جسے تم مٹانا چاہتے ہو مٹا نہ سکو گے، تمہاری طاقت اور منصوبے اللہ کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہوسکیں گے، یہ قصہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی سچائی کی تصدیق کرنے والا قصہ ہے، جو وحی کے ذریعہ ظاہر کیا گیا ہے، جس میں انسانیت کے لئے بے انتہاء رہبری و رہنمائی ہے۔

☆ اس قصہ میں دشمنان اسلام کو بند پیرائے میں بات سمجھائی گئی ہے تاکہ عقلمند لوگ سبق حاصل کر لیں، اگر کھلے طور پر مثال دی جاتی تو شائد اتنا فائدہ نہ ہوتا، بعض عقلمند مشرکین اس سے متاثر بھی ہوئے ہوں گے، اس سے یہ نصیحت ملتی ہے کہ بعض باتیں کھلے طور پر بیان کی جائیں تو فائدہ کم ہوتا اور بہت سے لوگوں کو ہضم نہیں ہوتیں، اللہ نے اس قصہ کو مثال بنا کر رہبری فرمائی ہے۔

اس قصہ میں انسانوں کے تین الگ الگ کردار بتائے گئے

☆ اس قصہ میں ایک نمونہ کے کردار تو وہ ہیں جو حقیقی اور پختہ ایمان رکھتے ہیں، اور اللہ کی بندگی، حساب کتاب وآخرت پر یقین اور تقدیر الٰہی پر کامل ایمان رکھ کر صبر وشکر کے ساتھ اسلام کی عملی شکل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

☆ دوسرے نمونہ کے کردار وہ لوگ ہیں جو پیغمبر کی صحبت میں ہیں، مسلم ماحول میں ہیں، اللہ پر ایمان رکھتے ہیں مگر اسلام کی پابندی اور اللہ کی اطاعت سے منہ موڑ کر اللہ سے نڈر بن کر شیطان کے بہکاوے میں نفس پرستی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

☆ تیسرے نمونہ کے کردار وہ لوگ ہیں جو ایمان سے دور دنیوی عیش پرستی، دولت کے نشہ میں اعمال رذیلہ کے شکار ہو کر گناہ کبیرہ سے نہیں گھبراتے۔

☆ اس قصہ کو پڑھنے اور سمجھنے کے بعد انسان کا ضمیر خود گواہی دے گا کہ کونسے نمونے کے کردار والے سچے اور کامیاب ہیں، کونسی زندگی پاکیزہ اور صاف ستھری ہے اور کونسی زندگی ناپاک اور گندی ہے، اور اُسے کونسی زندگی اختیار کرنی چاہئے۔

اس قصہ میں اخلاق حسنہ واخلاق رذیلہ کی صحیح تعلیم ملتی ہے

☆ اس قصہ میں ایمان سے بھرپور، اللہ سے محبت، آخرت کی جوابدہی کا احساس رکھنے والوں کے اعمال صالحہ یعنی ایمانی قوت، اللہ کی اطاعت پر استقامت، صبر جمیل، شکر گذاری، دیانت داری، امانت داری، عفت وعصمت کی حفاظت، بھرپور جوانی میں ضبطِ نفس، اللہ کی نافرمانی سے بچنے تکلیف کو برداشت کرنا، حق کی دعوت وحکمت کا طریقہ کار، توحید کی مختصر اور جامع تعلیم، تقویٰ وپرہیزگاری اور مصیبت میں لوگوں کی مدد جیسے اخلاق فاضلہ کی تعلیم ملتی ہے، اللہ کی صفت عفو ودرگذر کی نقل کا سبق دیا گیا۔

☆ دوسرے ان انسانوں کے کردار کو پیش کیا گیا جو مسلم خاندان میں پیدا ہوئے،

مسلمان باپ دادا کی اولاد اور مسلمان تھے، مگر شیطان کے بہکاوے میں کچھ وقت کے لئے نافرمان بن گئے اور اخلاق رذیلہ کا شکار ہو کر اپنے ہی بھائی سے حسد و جلن اور بغض وعدات، جھوٹی سازش، چوری کا جھوٹا الزام، باپ سے علاحدگی، قتل کا منصوبہ، بے رحمی، اور بھائی کو غلام بنا کر فروخت کرنے جیسے اخلاق رذیلہ اور برائیوں میں مبتلا ہو گئے۔

☆ تیسرے ان انسانوں کا کردار پیش کیا گیا جو دولت مند گھرانوں، عیش و مستی میں زندگی گذارتے اور اپنے شوہروں سے خیانت کر کے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے کی جسارت کرتے ہیں اور بے سہارا کمزور انسانوں کو اپنی ناانصافی وظلم کا شکار بناتے ہیں، ناحق جھوٹا الزام لگا کر مصیبتوں میں مبتلا کرتے ہیں، ان کی نفس پرستی اور عیش و مستی کے حالات، زنا، جھوٹا الزام، ناانصافی، قید و بند، ایذا رسانی کو ناحق سزا دینے کو بتایا گیا۔

اس قصہ میں صبر اور شکر دونوں چیزوں کی تعلیم ہے

ماں کے انتقال پر صبر، شروع زندگی میں پھوپی کے چوری کا الزام لگانے پر صبر، بیٹے کے گم ہو جانے پر صبر، بھائیوں کے حسد و جلن پر صبر، بھائیوں کی بے رحمی پر صبر، کنویں میں پھینکے جانے پر صبر، وطن سے دوسرے ملک منتقل ہونے پر صبر، غلام بنا کر فروخت کئے جانے پر صبر، عزیز مصر کی بیوی اور شاہی خاندان کی عورتوں کی پُر فریب ترغیبات پر صبر، زنا کا ماحول بنا کر زنا کی دعوت دینے پر صبر، عزیز مصر کا گھر چھوڑ کر قید خانہ کو ترجیح پر صبر، قید خانہ کی تکالیف پر صبر، عزیز مصر کے گھریلو انتظامات سنبھالنے پر صبر، بھرپور جوانی پر قابو رکھنے پر صبر، بھائیوں کا شاہی محل میں چور کہنے پر صبر، بھائیوں سے انتقام لینے پر صبر، بلا قیمت غلہ دینے پر صبر، قید خانہ میں اخلاق حسنہ پیش کرنے میں صبر، قیدیوں کو دعوت دین دینے میں صبر، قیدی کا بادشاہ سے رہائی کے لئے درخواست نہ کرنے پر صبر، خواب کی تعبیر کے ساتھ تدبیر بغیر کسی معاوضہ اور بغیر کسی انتقامی جذبے کے بتانے پر صبر، بادشاہ کے بلانے پر فوراً نہ جانے پر صبر، مصر کے حاکم بننے پر غرور و تکبر کرنے سے صبر، شیخی اور بڑائی

بیان کرنے سے صبر، بھائیوں کے معافی مانگنے اور ان کے غلطی کا اقرار کرنے پر صبر۔

حسن تدبیر، غصہ سے دوری، خدمت خلق، دنیا کو برتنے کا طریقہ، غیر مسلم حکومت میں حکمت کے ساتھ اقتدار پر آنا، اللہ کی عائد کردہ ذمہ داری دعوت الی اللہ کا کام کرنا، عقل وفہم سے رشتوں اور فاصلوں کو کم کرنا۔

اقتدار پر آنے، خاندان کے تمام افراد کا اکٹھا ہوجانے اور سب کی طرف سے تعظیم بجالانے پر شکر، زنا سے محفوظ رہنے پر خود کی تعریف نہیں بلکہ اللہ سے شکر گذاری کا اظہار، خواب کی تعبیر اور حالات کی گہرائی کا علم دینے پر اللہ کا شکر، اللہ کے ہر فیصلہ اور زندگی کی ہر حالت پر صبر اور شکر کی زبردست تعلیم دی گئی ہے، اقتدار پر آجانے، شاہی رعب ودبدبہ حاصل ہوجانے پر شکر اور اللہ کی بڑائی وحمد کو سمجھایا گیا۔

دنیا امتحان وآزمائش کی جگہ ہے، مؤمنین کا امتحان لیا جائے گا!

اللہ تعالیٰ دنیا کو امتحان وآزمائش کی جگہ بنا کر ایمان والوں کا امتحان لے گا، جس کی وجہ سے انسان پر راحت اور مصیبت دونوں طرح کے حالات آئیں گے، یا تو اس کو صبر اختیار کرنا پڑے گا یا شکر گذار بننا ہوگا، اللہ اپنے نیک بندوں کو آزمائش کے ذریعہ مصیبت میں ڈال کر ان کے درجات بلند کرنا چاہتا ہے، اس قصہ میں حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ پر مصیبت کے جو حالات آئے وہ امتحان وآزمائش کے لئے تھے، پھر مصیبت کے بعد راحت وآرام کے حالات لا کر بالخصوص صحابہ کرامؓ اور بالعموم قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی کہ دنیا میں کبھی ان پر مصیبت وپریشانی کے حالات آئیں گے اور کبھی راحت وسکون کے، ان دونوں حالات میں وہ اللہ کے ساتھ صبر اور شکر والی زندگی پر قائم رہیں، اللہ سے ناامید نہ ہوں اور ناشکرے نہ بنیں، جو جتنا زیادہ اللہ کا محبوب ہوگا اس پر اتنی ہی سخت آزمائشیں اور مصیبتیں آئیں گی، چنانچہ سب سے زیادہ آزمائش اور مصیبت پیغمبروں پر آئی، اور ان کی زندگی انسانوں کے لئے ہر حالت میں نمونہ اور مثال بنی۔

- ☆ حضرت یوسفؑ کی والدہ کا بچپن ہی میں انتقال ہوجانا آزمائش اور صبر کی مشق تھی۔
- ☆ حضرت یوسفؑ کے ساتھ بھائیوں کا برتاؤ، حسد وعداوت میں مبتلا ہونا آزمائش تھا۔
- ☆ باپ سے بچھڑنا اور باپ کی محبت وشفقت سے محروم ہوجانا آزمائش تھا۔
- ☆ باپ کی پرورش سے محروم ہوجانا اور آزاد زندگی سے دور ہوجانا آزمائش تھا۔
- ☆ قتل کے ارادہ سے کنویں میں پھینک دیا جانا اور وہاں رہنا آزمائش تھا۔
- ☆ پھر قافلہ والوں کے ہاتھوں غلام بنا کر فروخت کردیا جانا آزمائش تھا۔
- ☆ وطن سے بے وطن اور اہل وعیال سے دور ہوجانا آزمائش تھا۔
- ☆ ان کے حسن وجمال سے متاثر ہوکر عورتوں کا زنا کی رغبت دلانا آزمائش تھا۔
- ☆ زنا کا ماحول بنا کر ناحق زنا کا الزام لگایا جانا آزمائش تھا۔
- ☆ ناحق بغیر جرم کے سزا دی جانا آزمائش تھا۔
- ☆ جیل کی قید وبند کی تکالیف جھیلنا آزمائش تھا۔

مصیبت کے ساتھ راحت ہے اور راحت کے ساتھ مصیبت!

یہ سورۃ مکہ مکرمہ میں صحابہؓ پر سخت حالات اور مشکل ترین دور میں نازل ہوئی، اس میں صحابہؓ کو اور قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو یہ سبق دیا جارہا ہے کہ حضرت یوسفؑ پر مصیبتیں آئیں اور ایک وقت کے بعد وہ ختم ہوگئیں، پھر وہ راحت وآرام کی زندگی میں آگئے، اس طرح ایمان والوں پر دنیا امتحان وآزمائش کی جگہ ہونے کی وجہ سے دونوں طرح کے حالات آتے ہیں، ایمان والے مصیبت میں نہ گھبرائیں اور اللہ سے ناامید نہ ہوں؛ بلکہ اگر وہ ایمان کی حالت میں مرنے تک مصیبت میں رہیں تب بھی وہ فائدے ہی میں رہیں گے، دنیا کی مصیبت تو مرنے کے ساتھ ہی ختم ہوجاتی ہے، اللہ تعالیٰ مصیبتوں کے ذریعہ مؤمنوں کے گناہ دنیا ہی میں ختم کردیتا ہے، ان کو دوجگہ عذاب میں نہیں ڈالتا، مصیبت کے ذریعہ ان کے درجات کو بلند کرتا ہے۔

اس قصہ کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو ہمت دلائی گئی، اس قصہ کے ذریعہ تسلی وتشفی دی گئی، اس میں اشارہ ہے کہ جس طرح حضرت یوسفؑ کو ان کے ملک سے نکالا گیا تم کو بھی نکالا جائے گا، جس طرح ان کو منتقل ہونے میں تکالیف برداشت کرنی پڑی، بے عزتی سہنی پڑی، اسی طرح تم کو بھی مکہ سے منتقل ہونے میں تکالیف و بے عزتی سہنا پڑے گا، جیسے وہ بے یار ومددگار اور بے سہارا ہو کر گئے ویسے تم بھی یہاں سے ہجرت کروگے، اور جس طرح حضرت یوسفؑ عزیز مصر کے گھر میں غلام کے بجائے اس کے بیٹے کی حیثیت سے رہے، ویسے ہی مدینہ کے انصار تم کو عزت وسکون عطا کر کے ہاتھوں ہاتھ ساتھ رکھیں گے، پھر تم انصار مدینہ کے بھائی بن جاؤ گے، پھر جس طرح حضرت یوسفؑ کو مصر میں عروج ملا اور وہ اقتدار پر آگئے، اسی طرح تمہیں بھی مدینہ میں عروج نصیب ہوگا اور مکہ تمہارے قبضہ اور اقتدار میں آجائے گا، یہ مکہ سے نکالنا بظاہر بسبب مجبوری و بے بسی کے ہے، مگر مختصر وقتی ہے، جس طرح حضرت یوسفؑ اپنے والد سے دور گھر سے دور، شہر سے دور، وطن سے بے وطن ہوگئے، مشکلات سے دوچار ہوئے، پھر انہیں راحت و آرام نصیب ہوا، اسی طرح تم کو بھی مختصر وقت کے لئے یہ برداشت کرنا پڑے گا، پھر جس طرح حضرت یوسفؑ کو اقتدار ملنے کے بعد سب چیزیں واپس مل گئیں اسی طرح تمہیں بھی عزت و مرتبہ اور مقام واپس مل جائے گا، اس لئے ان حالات سے ناامید نہ ہو، مصیبت کے بعد راحت ہے، اس قسم کے حالات قیامت تک دنیا میں ایمان والوں پر آتے رہیں گے، ان حالات میں صبر اختیار کر کے اللہ کی عبدیت و بندگی ہی کرتے رہنا، کبھی ناامید نہ ہونا، ناامیدی کفر ہے، جان و مال کے عوض تکلیفیں برداشت کرنا اس کا معاوضہ جنت ہے۔

ماں کے انتقال پر باپ اولاد کو ماں کی کمی محسوس نہ ہونے دے

زندگی کے حالات میں انسان کبھی اپنے باپ سے محروم ہوجاتا ہے، کبھی ماں کا

پہلے انتقال ہو جاتا ہے، حضرت یعقوبؑ کی چار بیویاں تھیں اور ان کے ۱۲ لڑکے تھے، حضرت یوسفؑ اور بنیامین بی بی راحیل کی اولاد تھے، بنیامین کی پیدائش کے بعد راحیل کا انتقال ہو گیا جو حضرت یعقوبؑ کی چھوٹی بیوی تھیں، دس لڑکے ان دونوں سے بڑے تھے اور ان کی مائیں زندہ تھیں، ایسی صورت میں یہ دونوں بچے ماں کی ممتا اور محبت و پرورش سے محروم ہو گئے، ماں کے انتقال کے بعد اولاد محبت وشفقت کی پیاسی ہو جاتی ہے اور ان کو محبت دینے والا کوئی نہ کوئی ہو، ایسی صورت میں باپ اگر لاپرواہی برتے اور ان سے غافل رہے تو وہ بے یار و مددگار بن جاتے ہیں، ظلم کا شکار ہو جاتے ہیں، اس قصہ سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ عقلمند، سمجھدار اور ہوشمند باپ حالات کو سمجھتے ہوئے ایسے بچوں کو ماں کی جدائی کا احساس ہونے نہیں دیتے اور ان کو ماں کی طرح پوری محبت وشفقت دیتے ہیں۔

حضرت یعقوبؑ تو اللہ کے پیغمبر تھے، وہ اگر اپنی بن ماں کی اولاد کے ساتھ مثالی سلوک و محبت نہ کرتے تو ان کی پیروی کرنے والے ان کی اتباع میں ان کی نقل نہ کرتے، اس لئے حضرت یعقوبؑ اپنے ان دونوں بچوں کی بڑی ہی محبت وشفقت کے ساتھ دیکھ بھال کر رہے تھے، ویسے وہ حضرت یوسفؑ میں شروع ہی سے دوسری اولاد کے مقابلہ میں غیر معمولی صلاحیتیں دیکھ رہے تھے، اور انسانی فطرت بھی یہ ہے کہ وہ اپنے تمام بچوں میں جس میں صلاحیتیں شاندار ہوں ان کو چاہتا ہے اور محبت کرتا ہے، ان کی زیادہ مدد کرتا ہے، ان کی زیادہ عزت وہمت افزائی کرتا ہے، ویسے حضرت یعقوبؑ ماں کے نہ ہونے کی وجہ سے بھی ان بچوں سے زیادہ محبت کرنے پر مجبور تھے، ورنہ ان بچوں پر ظلم ہو جاتا اور ان کی صحیح پرورش نہ ہو سکتی تھی، بیوقوف لوگ ایسی صورت میں پہلی بیوی کے بچوں کو سوتیلی ماں کے حوالے کرتے ہیں یا تو بالکل توجہ نہیں دیتے؛ جس کی وجہ سے بچے ڈر، خوف، احساسِ کمتری اور بے سکونی، غم، مصیبت اور ظلم و زیادتی میں پرورش پاتے ہیں اور ان کی نشو ونما پر غلط اثر پڑتا ہے۔

کسی کی ترقی پر بعض لوگوں میں حسد کی بیماری پیدا ہوتی ہے

إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَباً وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ o قَالَ يَا بُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلَى إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْداً إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ o (یوسف:۴،۵)

ترجمہ:۔ جب یوسفؑ نے اپنے والد سے کہا: اے ابا جان! بیشک میں نے دیکھا گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو، میں نے ان کو دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کرتے ہیں، انہوں (والد) نے کہا: اے میرے بیٹے! تم اپنا خواب اپنے بھائیوں سے مت بیان کرنا، وہ تمہارے ساتھ سازش کریں گے، بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

بعض انسان دوسرے انسان میں عروج، ترقی اور قابلیت پیدا ہونے پر شیطانی بہکاوے میں آکر ان سے حسد وجلن میں مبتلا ہو جاتے ہیں یا دشمنی کرتے ہیں، یا پھر ان کے زوال پر خوش ہوتے ہیں، یہ عادت انسان کی انتہائی بے دینی اور اللہ کی دَین وعطا پر ناراضگی کو ظاہر کرتی ہے، اور اللہ کی تقدیر پر ناراضگی کا اظہار ہے، یہود رسول اللہ ﷺ سے محض بنی اسماعیل کے اُمّی لوگوں میں پیدا ہونے اور امیوں میں سے پیغمبر بنائے جانے پر ہی حسد وجلن میں مبتلا ہو کر آپ کو پیغمبر ماننے سے انکار کیئے اور حق سے دور رہ کر آخرت کا نقصان کر بیٹھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسد اور جلن نیکیوں کو ایسے کھا جاتے ہیں جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے، یہ بیماری انسان کو انسانیت سے گرا کر شیطان کی خصلت والا بنا دیتی ہے اور انسان شرافت، مروت اور رحم جیسے اخلاق حسنہ سے دور ہو جاتا ہے، جس طرح شیطان حضرت آدمؑ کے مجسمہ کو دیکھ کر حسد میں مبتلا ہوا تھا، حسد کی وجہ سے انسان کی عقل فالج زدہ ہو جاتی ہے، جس طرح ایک انسان کی عقل پر فالج کا حملہ ہونے سے وہ دماغی توازن کھو بیٹھتا ہے، اس کی عقل اس کو اللہ کی عطا اور دین اور اللہ کا فیصلہ سمجھنے سے معذور کر دیتی ہے، اللہ کی تقسیم پر راضی ہونے نہیں دیتی، حسد اور جلن رکھنے والے ناکام اور ذلیل

ہوجاتے ہیں، ان کے حسد وجلن میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے، وہ دوسرے انسان کی ترقی، خوشحالی اور دولت، تجارت اور قابلیت کو برداشت نہیں کرسکتے، ان کی بربادی کے خواہشمند ہوتے ہیں، اس کا اظہار نفرت اور مخالفانہ اعمال سے ظاہر کرتے ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ اس قصہ میں ایمان والوں کی تربیت کے لئے خاص طور پر حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کے حسد وجلن اور بغض وعداوت کو دکھایا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب اللہ نے ۱۴ رسال کی عمر میں حضرت یوسفؑ کو ۱۱ رستارے، سورج اور چاند سجدہ کرتے ہوئے خواب دکھایا اور وہ اپنے خواب کا تذکرہ اپنے والد سے کرتے ہیں، مفسرین نے لکھا ہے کہ بیان کرنے میں بھی فخریہ انداز اختیار نہیں فرمایا؟ بلکہ یہ کہا کہ مجھے سورج چانداور ستارے نظر آئے، پھر رک کر جھجکتے ہوئے کہا کہ وہ مجھے سجدہ کررہے ہیں، جب باپ نے بیٹے سے یہ خواب سنا تو سمجھ گئے کہ یہ معمولی بچوں جیسا خواب نہیں ہے، اس میں اللہ کی طرف سے خاص منصب کا اشارہ ہے، میرا یہ بیٹا خاص مستقبل کا مالک ہوگا یوسفؑ اللہ کا برگزیدہ بندہ بننے والا ہے، بچپن ہی سے وہ حضرت یوسفؑ میں تمام دوسری اولاد کے مقابلہ غیر معمولی صلاحیتیں دیکھ بھی رہے تھے، ان کو اپنے اس بیٹے کی پیشانی پر نورِ نبوت نظر آرہا تھا، انہوں نے حضرت یوسفؑ سے کہا کہ تمہارا رب تمہیں خاص منصب سے سرفراز کرے گا، اور یہ خطرہ بھی محسوس کرلیا کہ کہیں شیطان ان بھائیوں کے درمیان حسد وجلن پیدا کرکے دشمنی نہ ڈال دے، اس لئے تاکید کی کہ اس خواب کو اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کریں، مگر اس خواب کی خبر کسی طرح ان کے بھائیوں کو ہوگئی اور وہ خواب سن کر مزید حسد میں مبتلا ہوگئے، حالانکہ بھائی ہونے کی حیثیت سے خوش ہونا چاہئے تھا کہ اللہ ہمارے خاندان کو منصب عطا کرے گا، جبکہ حضرت یعقوبؑ بحیثیت باپ بے حد مسرور ہوئے اور ہر باپ کو اپنے بیٹے کی ترقی اور درجات کی بلندی کی خواہش ہوتی ہے۔

مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ نے لکھا ہے کہ اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ اگر کسی انسان کو دوسرے انسانوں کی خوشحالی وترقی اور دولت کا ذکر کرنے سے حسد وجلن پیدا ہوتی

ہے، بغض وعداوت پیدا ہوتی ہے تو اس انسان کے سامنے اس کی دولت، ترقی اور خوشحالی کا ذکر ہی نہ کیا جائے، اس سے دوسرا آدمی اس کے شر سے محفوظ رہے گا، حضور اکرم ﷺ نے اس کو راز میں رکھنے کی تعلیم دی ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ بیان کیا کہ حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کو خواب کا اظہار کرنے سے منع فرمایا، اس لئے کہ وہ محسوس کر رہے تھے کہ اس سے حضرت یوسفؑ کی جان کو خطرہ ہوگا، اس لئے یہ مسئلہ نکلا کہ کسی کے شر سے کسی کو بچانے کے لئے اس کی بری خصلت یا نیت کو بیان کر دینا ضروری و جائز ہے، یہ غیبت میں داخل نہیں ہے، بیان نہ کرنے سے دوسرے انسان کی زندگی اذیت اور تکالیف کا شکار ہوسکتی ہے، عام طور پر ہمارے معاشرہ میں شادی بیاہ کے سلسلہ میں محلّہ والے لڑکی پر رحم کھا کر شادی ہوجانے کی غرض سے اس گھر کی بداعمالیوں کو چھپا دیتے ہیں اور لڑکی کی بے راہ روی کو بیان نہیں کرتے، یا غنڈا عناصر کے ظلم سے لڑکے یا اس خاندان کے ڈر سے ان کے اخلاق رذیلہ بیان نہیں کرتے، اس سے لڑکی ظالم کے حوالے ہوجاتی ہے۔

اس قصہ میں والدین کا ادب واحترام کی تعلیم دی گئی

إِنَّ أَبَانَا لَفِيْ ضَلاَلٍ مُّبِيْنٍO (یوسف:۸)

ترجمہ:۔ بے شک ہمارے والد کھلی گمراہی میں ہیں۔

اس قصہ میں اللہ نے برادرانِ یوسفؑ کا اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ نازیبا گفتگو اور سلوک کو خاص طور پر نوٹ کر کے انسانوں کو یہ تعلیم بھی دی کہ وہ اپنے ماں باپ کے مقام ومرتبہ کو پہچانیں اور ان کے ساتھ کوئی نازیبا حرکت اور گفتگو نہ کریں، یہ گناہ اور بے ادبی کی بات ہے۔

حضرت یعقوبؑ کے زمانہ میں حکومتی نظام نہیں تھا، خاندان اور قبیلے کے لوگ مل کر اپنے اپنے قبیلہ کی حفاظت کرتے تھے، چونکہ برادران یوسفؑ بھی جوان تھے، وہ اپنے والد

اور خاندان کی حفاظت کرتے تھے، مگر جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ہم والد کی خدمت اور خاندان کی حفاظت کرنے والے ہیں، مگر ہمارے والد ہمارے مقابلہ کمزور بچوں کو زیادہ محبت کرتے ہیں اور ہم پر ان کے مقابلہ اعتماد نہیں رکھتے، تو انہوں نے اپنے والد کے تعلق سے آپس میں یہ گفتگو کی جسے قرآن نے نوٹ کیا ہے:

''ان کے بھائیوں نے آپس میں کہا: یوسف اور اس کا بھائی دونوں ہمارے والد کو ہم سب سے زیادہ محبوب ہیں، حالانکہ ہم ایک پورا جتھا ہیں، سچی بات یہ ہے کہ ہمارے والد بالکل ہی بہک گئے ہیں''، ہمارے والد کھلم کھلا غلط روش اختیار کئے ہوئے ہیں، بوڑھاپے میں سٹھیا گئے ہیں، مفسرین نے الگ الگ طریقے سے ترجمہ کیا ہے۔

اسلام نے توحید کے بعد ماں باپ کا مقام و مرتبہ رکھا ہے اور ان کو اُف تک کہنے سے منع کیا ہے، اس لئے ایمان والے ہر حالت میں اپنے ماں باپ کا احترام و تعظیم کریں اور ان کے پیچھے بھی کوئی بات ان کی شان کے خلاف نہ کہیں، بنیامین کو جس وقت مصر میں چوری کے الزام میں روک لیا گیا اس وقت بھی وہ والد پر طنز کئے کہ تمہاری چہیتے اور پیارے بیٹے نے چوری کی ہے۔

ناحق کسی انسان کا قتل کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے

اقْتُلُواْ يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضاً يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ
وَتَكُونُواْ مِن بَعْدِهِ قَوْماً صَالِحِينَ ٥ (یوسف:۹)

نفس پر قابو نہ رکھنے والے انسان انسان نہیں بلکہ درندہ صفت حیوان بن جاتے ہیں، جس طرح درندے جی پر قابو نہ رکھ کر اور جی کی خواہش پر بے دردی کے ساتھ اپنے ساتھی کمزور جانور کو مارتے یا زخمی کرتے ہیں، یا غذا کھانے نہیں دیتے یا اس پر قبضہ کر کے خواہش پوری کر لیتے ہیں، بالکل اسی طرح انسان پر جب نفس کا غلبہ بڑھ جاتا ہے تو وہ شیطان کی گرفت میں آ کر جانور کی طرح درندہ صفت بن جاتا ہے، ظاہر میں انسان نظر آتا

ہے لیکن اندر سے شیطان بن جاتا ہے، نفسانی خواہش اس کو اللہ سے نڈر اور اندھا بنا دیتی ہے اور وہ ظلم و زیادتی اور ناانصافی و بے رحمی کو دماغ میں لئے پھرتا ہے۔

اس قصہ میں یہ سبق دیا گیا کہ برادران یوسفؑ باوجود پیغمبر حضرت اسحاقؑ کے پوتے اور نبی حضرت یعقوبؑ کی اولاد ہونے اور ایمان رکھ کر مسلمان ہونے کے باوجود نفس کا شکار ہوگئے اور شیطان کے بہکاوے میں آ کر اللہ سے نڈر بن کر کچھ مدت کے لئے فاسق و فاجر بن گئے اور ایمان میں کمزور ہو کر آخرت کی پکڑ سے غافل ہوگئے اور اپنی فطرت و ضمیر کے خلاف چل کر اللہ کی نافرمانی میں گناہ کبیرہ کا یہ فیصلہ کیا جسے قرآن مجید نے نوٹ کیا ہے، ''چلو یوسفؑ کو قتل کر دو یا اُسے کہیں پھینک دو تاکہ تمہارے والد کی توجہ صرف تمہاری ہی طرف ہو جائے، یہ کام کر لینے کے بعد پھر نیک بن جانا، اس پر ان میں سے ایک بھائی نے کہا: یوسف کو قتل نہ کرو، اگر کچھ کرنا ہی ہے تو اُسے کسی سوکھے کنویں میں ڈال دو، کوئی آتا جاتا قافلہ اُسے نکال لے جائے گا''۔ (یوسف:۹)

برادرانِ یوسفؑ یہ نہیں سمجھے کہ حضرت یوسفؑ کو قتل کرنے یا دور کرنے سے باپ کی توجہ ان کی طرف کیسے مائل ہو سکتی ہے؟ توجہ مائل ہونے کے اولاد میں خوبیاں ہوں، اخلاقِ حسنہ ہوں، عمدہ دماغی صلاحیتیں ہوں، اللہ کی اطاعت کا جذبہ ہو، دین اسلام پر چلنے کا شوق ہو، تب ماں باپ ایسی اولاد سے بہت زیادہ لگاؤ اور محبت رکھتے ہیں۔

اس قصہ میں یہ سبق دیا گیا کہ انسان کی فطرت جب بگڑ جاتی ہے تو اس میں اخلاق رذیلہ کیسے پیدا ہو جاتے ہیں، انسان جب اللہ سے غافل ہو جاتا ہے تو دنیا کی محبت دنیا کی عزت اور چاہت میں گرفتار ہو جاتا ہے اور نفس کی خواہش میں مبتلا ہو کر انسانیت سے گر جاتا ہے، شیطان اس کو اتنا گرا دیتا ہے کہ اللہ اس کو یاد نہیں آتا۔

اس قصہ کے ذریعہ مشرکین مکہ کو اور خاص طور پر قریش کو یہ احساس دلایا گیا کہ تم لوگ وہی حرکتیں اور عمل کر رہے ہو جو برادرانِ یوسفؑ نے ان کے ساتھ بے رحمی کا برتاؤ کیا اور قتل کا منصوبہ بنایا، تم اللہ کی تقدیر پر ایمان نہیں رکھتے اور یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ ہر

چیز پر قادر ہے، کوئی بھی اپنے منصوبہ میں کامیاب اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک اللہ تعالیٰ کی مرضی ومنشاء نہ ہو، جس طرح برادرانِ یوسفؑ حضرت یوسفؑ کو قتل کرنے میں ناکام رہے اور تم بھی ناکام رہوگے۔

چنانچہ انسانی معاشرہ گواہ ہے کہ شروع دنیا سے آج تک بہت سارے واقعات میں انسان دولت، عورت، حکومت اور اقتدار حاصل کرنے دوسرے انسانوں کا خون کیا اور اللہ سے نڈر بن کر دنیا کا مختصر فائدہ حاصل کیا، قابیل نے ہابیل کا بھی ناحق قتل کیا جس کا گناہ اس کو قیامت تک ملتا رہے گا۔

اس میں یہ تعلیم دی گئی کہ ایمان والے دنیا ہی کو سب کچھ نہ سمجھیں اور اللہ کو عدل و انصاف کرنے اور پکڑ وسزاء دینے والا یاد رکھیں، آخرت سے غافل نہ رہیں اور اس طرح کے اخلاق رذیلہ اور گناہ کبیرہ سے دور رہیں، مؤمن کسی انسان کو خواہ مخواہ قتل نہیں کرتا، اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ناحق کسی کو قتل کرکے وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں رہے گا، اسلام نے مسلمان کا خون دوسرے مسلمان پر حرام قرار دیا اور دوسرے انسانوں کو اذیت وتکلیف پہنچانا گناہ کبیرہ بتلایا، برادرانِ یوسفؑ کی یہ حرکت ایمان اور مسلمانوں کی صفت کے خلاف تھی، ناحق قتل انسانی اللہ کے نزدیک ناقابل معافی جرم ہے، قتل شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے، کامیابی اور ناکامی اللہ کے ہاتھ میں ہے جو انسان تقدیر الٰہی پر مضبوط ایمان رکھے، کبھی اللہ کے قانون کو توڑنے کی ہمت نہیں کرسکتا، حدود توڑنے کے منصوبے نہیں بنا سکے گا، اگر دنیا میں کامیاب ہو بھی گیا تو آخرت میں ذلت ورسوائی بھگتنا پڑے گا۔

توبہ کا ارادہ کرکے جان بوجھ کر گناہ کرنا اللہ کے ساتھ مذاق ہے

مِن بَعْدِهِ قَوْماً صَالِحِينَ o (یوسف:۹) ’’‘‘۔

اس قصہ میں اللہ تعالیٰ نے بے شعور اور غافل انسانوں کی اس گمراہی کو خاص طور پر نوٹ کرکے یہ تعلیم دی کہ پہلے سے توبہ کا ارادہ کرکے گناہ کرنا گویا اللہ تعالیٰ سے جھوٹ اور

نفس کو دھوکہ دینا ہے، اور اپنے نفس کو زبردستی خوش کر لینا ہے، برادرانِ یوسفؑ کے الفاظ کو قرآن نے خاص طور پر نوٹ کیا کہ ''قتل کرنے کے بعد نیک بن جانا''، یعنی وہ جرم بھی کرنا چاہتے ہیں اور نیک رہنا بھی چاہتے ہیں اور اچھا انجام بھی چاہتے ہیں۔

☆ اسی طرح یہ تعلیم دی کہ دنیا میں بہت سے لوگ ایمان کے دعوے کے ساتھ ساتھ خواہشات نفسانی کو بھی خدا کا درجہ دیتے ہیں اور اللہ کے حکم کے مقابلہ میں نفس کی خواہش کو پہلے پورا کرتے ہیں، ان لوگوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اللہ کی اطاعت کے مقابلہ نفس ان سے جب برائی یا گناہ کا تقاضا کرتا ہے تو وہ اللہ کی اطاعت کو پسِ پشت ڈال کر یا ملتوی کر کے جان بوجھ کر پہلے نفس کا تقاضا پورا کرتے اور جب ضمیر اندر سے گناہ اور برائی کا احساس دلاتا ہے تو ضمیر کے خلاف گناہ کو گناہ جانتے ہوئے نفس کی خواہش پوری کر کے توبہ کر لینے کا احساس پیدا کر لیتے ہیں۔

☆ برادرانِ یوسفؑ نے بھی یہی سوچا کہ پہلے قتل کر لو پھر توبہ کر کے نیک بن جاؤ، یہ دراصل شیطان اور نفس کا دھوکہ ہے، اس طرح کمزور اور بے شعوری ایمان والے سوچتے ہیں، یہ الفاظ گویا ان لوگوں کی ترجمانی کرتے ہیں جو خواہشاتِ نفس کے ساتھ ساتھ ایمان اور تقویٰ کا دعویٰ بھی کرتے ہیں، قرآن یہ الفاظ نوٹ کر کے ایمان والوں کی اصلاح کرنا چاہتا ہے کہ گناہ کا پختہ ارادہ کر کے توبہ کا خیال رکھنا دراصل اللہ کے ساتھ مذاق ہے، سچی توبہ نہیں، ایمان والے غلطی سے یا بھول کر کوئی گناہ ہو جانے پر سچی توبہ کرتے ہیں، قرآن کہتا ہے کہ ''توبہ تو ان لوگوں کے لئے ہے جو نادانی اور جہالت سے گناہ کر بیٹھتے ہیں''، برادرانِ یوسفؑ کے بھائیوں کی طرح توبہ کا گمراہ احساس نہیں رکھتے، اسلام نے قتل کو شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ بتلایا، شیطان انسان کو توبہ کا غلط تصور دیتا ہے تاکہ انسان توبہ کے بھروسے پر گناہ کرلے اور جہنم رسید ہو جائے۔

☆ موجود زمانہ میں مسلمانوں کی کثیر تعداد نماز کی پابندی نہ کرنا، بے پردہ پھرنا، رشوت لینا، سود کا استعمال کرنا، شادی کے نام پر ناجائز رقم اور سامان لینا، گالی دینا، فحش

بات کرنا، دھوکہ دینا، جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، ناچنا گانا، نیم برہنہ رہنا، فضول خرچی کرنا، جھوٹے مقدمات ڈالنا، جھوٹی گواہی دینا، والدین کو، بیوی کو، بچوں کو، پڑوسیوں کو، اپنے ساتھ کام کرنے والوں کو، اپنے بڑوں اور چھوٹوں کو تکلیف دینا وغیرہ ان تمام چیزوں کو گناہِ کبیرہ سمجھتی ہے اور مسلسل ان باتوں کو گناہ جاننے کے باوجود ان سے چمٹے رہتے ہیں اور توبہ بھی جاری رکھے ہوئے ہیں، توبہ کی حقیقت ہی کو نہیں جانتے، توبہ کرتے ہیں مگر گناہ نہیں چھوڑتے، توبہ کی حقیقت جاننے کے لئے ہماری کتاب ''ہماری توبہ، توبہ نہیں مذاق ہے'' ضرور پڑھیں اور اپنی توبہ کو توبۃ النصوح بنائیں۔ ؎

مئے بھی پیتے ہیں توبہ بھی کرتے ہیں ۔۔۔ یہ بھی جاری ہے وہ بھی جاری ہے

جھوٹ، وعدہ خلافی اور اخلاقِ رذیلہ سے دور رہنے کی تعلیم دی گئی

قَالُواْ يَا أَبَانَا مَا لَكَ لاَ تَأْمَنَّا عَلَى يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنَاصِحُونَ o أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَداً يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ o قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَن تَذْهَبُواْ بِهِ وَأَخَافُ أَن يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنتُمْ عَنْهُ غَافِلُون o قَالُواْ لَئِنْ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّا إِذاً لَّخَاسِرُونَ o (یوسف:۱۱ تا ۱۴)

اس قصہ میں برادرانِ یوسفؑ کے جھوٹ اور وعدہ خلافی کو کھلے طور پر سمجھایا گیا، انہوں نے خفیہ طور پر قتل کا منصوبہ بنانے کے بعد اپنے والد کے سامنے جا کر جھوٹ بولتے ہوئے یہ کہا: ''کیا بات ہے کہ آپ یوسفؑ کے بارے میں ہم پر اعتماد نہیں کرتے، حالانکہ ہم اس کے سچے خیر خواہ ہیں، کل اُسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے، کچھ کھا پی کر کھیل کود سے ہمارے ساتھ دل بہلا لے گا، ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے، باپ نے کہا: تمہارا اُسے لیجانا مجھے شاق گذرتا ہے، مجھے خطرہ ہے کہ کہیں تم اس سے غافل نہ ہو جاؤ اور بھیڑیا اس کو نہ پھاڑ کھالے، انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہمارے ہوتے ہوئے اُسے بھیڑیئے نے کھالیا جبکہ ہم ایک جماعت ہیں تو ہم بڑے نکمے ہوں گے''، اسی طرح جھوٹا اقرار کر کے

لیجانے پر اصرار کیا، حضرت یعقوبؑ نے ان سے حفاظت کا وعدہ لیا اور حضرت یوسفؑ کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔

دنیا کی زندگی میں مکر وفریب دینے والے بظاہر محبت کا ڈرامہ کرتے ہیں اور زبان سے خیر خواہ اور ہمدرد ہونے کا جھوٹا اظہار کرتے ہیں، جو لوگ حقیقی اور دلی محبت کرتے ہیں ان کو زبان سے محبت اور خیر خواہی ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، دنیا میں کوئی بیوی یا اولاد اپنے رشتہ داروں کو جمع کر کے اپنے شوہر اور والدین سے محبت کرنے اور ان کی خیر خواہ ہونے کا زبانی اعلان نہیں کرتے، وہ اپنے عمل سے محبت و ہمدردی اور خیر خواہی کا مظاہرے کرتے رہتے ہیں۔

قرطبی میں ہے کہ حضرت یعقوبؑ کو بھیڑیئے کا خطرہ اس وجہ سے ہوا کہ کنعان میں بھیڑیوں کی کثرت تھی، انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ کسی پہاڑی کے اوپر ہیں اور حضرت یوسفؑ اس کے دامن میں نیچے ہیں، اچانک دس بھیڑیوں نے ان کو گھیر لیا، ان پر حملہ کرنا چاہا، مگر ایک بھیڑیئے نے ہی مدافعت کر کے انہیں چھڑایا، پھر حضرت یوسفؑ زمین کے اندر چھپ گئے، اندر سے مراد کنویں میں، اس لئے وہ خطرہ محسوس کر رہے تھے، مگر انہوں نے اپنی اولاد کے سامنے کبھی اس خواب کا تذکرہ نہیں کیا، صرف بھائیوں سے حفاظت کا عہد و پیمان لے کر ساتھ بھیج دیا، اس سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ جب خطرہ کا اندیشہ ہو تو وعدہ اور عہد و پیمان بھی لیا جائے۔

بھائیوں نے جنگل کی طرف لیجانے کے بعد قتل کی بات کی مگر اللہ نے ایک بڑے بھائی یہودا کے دل میں حضرت یوسفؑ سے ہمدردی ڈال دی، اس نے قتل سے منع کیا اور مشورہ دیا کہ اگر باپ سے دور کرنا ہی ہے تو ایک ایسے راستے کے سوکھے کنویں میں ڈال دو جہاں سے قافلے گذرتے ہیں، ممکن ہے کہ کوئی قافلے والے نکال کر لے جائیں، یا غلام بنالیں یا دوسرے شہر لے جا کر بیچ ڈالیں، یا پھر اندر کوئی سانپ بچھو ڈس لے اور تمہاری مراد پوری ہو جائے اور تم اپنے ہاتھ سے اس کا قتل کرنے سے بچ جاؤ گے۔

اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جب ظالم ظلم سے رکنا نہیں چاہتا تو عقلمند لوگ اُسے ایسے ترکیب بتائیں کہ مظلوم کو زیادہ نقصان نہ پہنچے اور ظالم کا ظلم بھی کم ہو جائے، جیسے فرعون کی بیوی حضرت آسیہؓ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بچانے فرعون کو ظلم سے روکا اور جیسے دیوارِ کعبہ میں حجر اسود رکھتے وقت رسول اللہ ﷺ نے حکمت اختیار کی۔

اکثر لوگ بیوی کو ذرا ذراسی بات پر مارتے، ڈانٹتے اور گالی گلوج کرتے ہیں، ان سے کہا جائے کہ تم اس طرح کا عمل کرنے سے لوگوں کی نظروں میں ظالم بن جاؤ گے، تمہارا گھر بدنام ہو جائے گا، بچوں پر غلط اثر پڑے گا، بیوی سے ناراضگی ظاہر کرنے کے لئے اس سے بات مت کرو، اس کا بستر الگ کردو، یا اس کو اس کی پسند اور خواہش کی چیز مت دلاؤ، ورنہ قانون کی نگاہوں میں بھی تم مجرم بن جاؤ گے۔

بھائیوں نے بڑے بھائی کے مشورہ کو قبول کیا اور حضرت یوسفؑ کی قمیص اتار دی اور ہاتھ پیچھے باندھ کر ڈول میں بٹھایا اور کنویں میں اتار دیا اور اندر جانے کے بعد اوپر سے رسّی کاٹ دی، اللہ تعالیٰ نے وحی الہام کے ذریعہ جس طرح حضرت موسیٰؑ کی والدہ کو بچہ کو نہر میں ڈالنے کی ہدایت دی تھی شاید اسی طرح حضرت یوسفؑ کو یہ بات ذہن میں ڈالی جسے قرآن یوں بیان کرتا ہے ”ہم نے یوسفؑ کو وحی کی کہ ایک وقت آئے گا جب تم ان لوگوں کو ان کی یہ حرکت بتاؤ گے، یہ اپنے عمل کے نتائج سے بے خبر ہیں، پھر شام کو تمام بھائی روتے پیٹتے اپنے والد کے پاس آئے اور کہا: ابا جان! ہم دوڑ کا مقابلہ کرنے میں ایک دوسرے سے دور ہو گئے تھے، یوسفؑ کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا کہ اتنے میں بھیڑیا آ کر اُسے کھا گیا، آپ تو ہماری بات کا یقین نہیں کریں گے خواہ ہم سچ کہہ رہے ہوں، اور وہ حضرت یوسفؑ کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون لگا کر لے آئے تھے، یہ سن کر ان کے والد نے کہا: ”تم نے ایک غلط بات کو بنا سنوار لیا ہے، اچھا صبر کروں گا اس بات پر جو تم بیان کرر ہے ہو، اس پر اللہ ہی سے مدد مانگوں گا“۔

برادرانِ یوسفؑ انتہائی مکارانہ انداز میں والد کی بدگمانی کو دور کرتے ہوئے

یوسفؑ کے ساتھ ہمدردی اور حفاظت کی جھوٹی اور خبیث چال سے والد کو دھوکہ دے کر اپنے ساتھ لیجانے میں کامیاب ہوگئے، عام طور پر جھوٹ بولنے والے چرب زبانی، ظاہری دکھاوے کی ہمدردی سے کام لیتے ہیں اور اندر بغض وعداوت رکھتے ہیں، اور اپنے منصوبے سے نقصان پہنچانا چاہتے ہیں یا اپنا فائدہ دیکھتے ہیں، دنیا کی زندگی میں اکثر عورتوں کی عصمت لوٹنے یا کسی کا روپیہ پیسہ دھوکہ دے کر لوٹنے یا یتیم و بے سہارا بچوں کا مال کھانے یا بعض ڈاکٹر مریض سے ہمدردی کر کے مرض کو بڑا بتا کر پیسہ لوٹ لیتے ہیں، یا بعض وکیل جھوٹی باتیں بتا کر اور ڈرا کر فیس کے نام پر خوب لوٹتے ہیں، ڈاکٹر علاج کرتے ہوئے پیسہ لوٹتے اور مریض کو خوش فہمی میں مبتلا رکھ کر موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں، بعض وکیل مدعی کو دھوکہ میں رکھ کر مدعی کے مقابل لوگوں سے بھی پیسہ وصول کر کے کیس کو ناکام بنا دیتے ہیں، غرض جھوٹ اور وعدہ خلافی منافق کے کام ہیں، مومنوں کو اس سے دور رہنا ہوگا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کے پاس وعدہ کی پابندی نہیں اس کا کوئی دین نہیں، (مسند احمد) جو وعدہ پورا نہیں کرتا وہ جھوٹا مانا جاتا ہے۔

چنانچہ برادرانِ یوسفؑ نے جھوٹا عہد کر کے حضرت یوسفؑ کو والد سے دور کر دیا اور شام کو آ کر مگر مچھ کے آنسو بہاتے ہوئے والد کے اندیشے ہی کو لے کر پھر دوبارہ جھوٹ کہا کہ بھیڑیئے نے یوسفؑ کو کھالیا، ہم بچا نہ سکے، کھیل میں مصروف رہ گئے، اس طرح برادران یوسف نے ایمان رکھتے ہوئے جان بوجھ کر جھوٹ کہا اور وعدہ خلافی کی۔

اسلام نے یہ تعلیم دی کہ جھوٹ اور ایمان ایک ساتھ مسلمان کے اندر جمع نہیں ہو سکتے، مؤمن جھوٹا نہیں ہوتا، جھوٹ بولنا اور وعدہ کی پابندی نہ کرنا منافق کی صفات ہیں، سچے اور پختہ ایمان والے حقیقی مسلمان ان دونوں برائیوں سے دور رہتے ہیں، ایمان والوں کو گویا برادران یوسفؑ کے اخلاق رذیلہ سے بچنے کی تعلیم دی جارہی ہے۔

اس قصہ میں یہ بھی تعلیم دی جارہی ہے کہ اللہ کی مشیت اور تقدیر کے سامنے کوئی کچھ نہیں کرسکتا، جو اللہ چاہے وہی ہوتا ہے، دنیا لاکھ مل کر کسی کو نقصان پہنچانا چاہے تو نہیں

پہنچا سکتی، مگر اتنا ہی جتنا اللہ کی اجازت ہو، انسان اپنے منصوبوں اور پلان میں اللہ کی مرضی اور مشیت کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتا، تقدیر کا فیصلہ اٹل ہے۔

اس قصہ میں اللہ تعالیٰ نے شر سے خیر نکالنے کو ظاہر فرمایا اور تقدیر کے لکھے کو نافرمان لوگوں سے ان کی تدبیر کو ناکام بنا کر اپنی مشیت کو کامیاب فرمایا، بظاہر بھائیوں نے برائی چاہی، نقصان پہنچانا چاہا، مگر اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا، اس قصہ میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ انسان اپنے ہر عمل میں ہر طرح کی آزادی نہیں رکھتا کہ جس کو چاہے جیسا چاہے نقصان پہنچادے یا قتل کردے یا کسی کی عزت لوٹ لے۔

جھوٹ، ہمیشہ جھوٹ ہی ہوتا ہے، اس کے ذریعہ بہت سے نقائص ظاہر ہوجاتے ہیں

وَجَآؤُوا عَلَى قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ. (یوسف:۱۸)

''اور قمیص کو جھوٹا خون لگا کر لائے''۔

برادرانِ یوسفؑ نے جو جھوٹ گھڑ لیا تھا اس میں وہ خود پکڑے گئے، ان کی جھوٹ کا پول کھل گیا، ان کو اس بات کا احساس ہی نہ رہا کہ بھیڑیئے کے حملہ کرنے کے بعد قمیص صحیح سلامت نہیں رہ سکتی، وہ جھوٹا منصوبہ بنانے میں یہ خیال ہی نہیں رکھے کہ بھیڑیا قمیص کو پھاڑے اور نوچے بغیر کیسے کھا سکتا ہے؟ قمیص صحیح سلامت کیسے رہ سکتی ہے؟ چنانچہ اسی وقت حضرت یعقوبؑ پر ان کا جھوٹ کھل گیا، جب انہوں نے قمیص دیکھی تو کہا کہ وہ بھیڑیا کتنا عقلمند ہے، اس نے یوسف کو کھایا مگر قمیص اُتار کر کھایا، قمیص کو نہ پھاڑا، دانت تک نہ لگائے اور نہ پنجوں سے تک چھوا، اسی طرح زلیخا کا حضرت یوسفؑ پر زنا کا الزام لگانے کا جھوٹ بھی عزیز مصر پر کھل گیا تھا، دنیا میں جتنے بھی جھوٹی باتیں کی جاتی ہیں ان کی گہرائی میں جانے پر جھوٹ کھلے طور پر ظاہر ہوجاتا ہے، جھوٹ بولنے والے انسان کی نگاہوں میں گر جاتے ہیں، لوگ ان کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔

مصیبت پر حضرت یعقوبؑ نے فرمایا: صبر جمیل کروں گا

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْراً فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ o (یوسف:۱۸)

جب برادرانِ یوسفؑ نے یوسفؑ کو بھیڑیا کھا لینے کا ذکر والد سے کیا تو انہوں نے کہا کہ: ''میں اس بارے میں صبرِ جمیل کروں گا، اور اللہ ہی سے اس بات پر جو تم بیان کر رہے ہو مدد مانگوں گا''، صبر جمیل ایسا صبر ہے جس میں کسی مخلوق کے آگے فریاد نہیں کی جاتی، واویلا، چیخ و پکار اور احتجاج نہیں کیا جاتا، اس میں اپنے غم اور پریشانی کا اظہار صرف اللہ تعالیٰ سے کیا جاتا ہے، اللہ ہی سے مدد مانگی جاتی ہے، اس کو صبر جمیل کہتے ہیں، اس لئے کہا کہ میں تو صرف اللہ کے سامنے اپنے غم و پریشانی کو بیان کروں گا، اللہ کے سوا کسی سے بیان نہیں کروں گا، صبر جمیل یہ ہے کہ اللہ پر توکل کریں اور تقدیر پر بھروسہ کریں، کسی قسم کے شکایتی الفاظ زبان سے نہ نکالیں۔

انسان کی یہ فطرت ہے کہ اس کو اپنے ملنے والوں میں جو سب سے زیادہ بڑا ہمدرد، مددگار اور طاقتور ہوتا ہے' مصیبت آتے ہی کسی کمزور انسان کے پاس جا کر اپنے حالات بیان کرنے کے بجائے سیدھے اپنے تمام ملاقاتیوں کو چھوڑ کر سب سے بڑے کے پاس جاتا ہے، اس سے اپنا حال بیان کرتا ہے، صبر جمیل یہ ہے کہ انسان اپنے مالک کو رب اور آقا سمجھتا ہے تو ہر روز دعاؤں کے ذریعہ اس سے بات کرتا، ملاقات کرتا، اپنے مسائل اسی کے سامنے پیش کرتا ہے، انسانوں کے سامنے بیان کرتا ہوا نہیں پھرتا، کوئی مصیبت آجائے تو فوراً مالک ہی سے کہتا ہے اور اسی سے مدد مانگتا ہے اور صبر کرتا ہے، تقدیر پر بھروسہ رکھتا ہے، تکلیف میں دل کا حال اسی سے بیان کرتا ہے جو مصیبت دور کرنے والا ہے۔

بہت سے لوگ مصیبت، موت، نقصان پر واویلا کرتے ہیں، کپڑے پھاڑ لیتے ہیں، ماتم کرتے ہیں، بیان کر کے روتے اور اللہ سے متعلق شکایتی الفاظ بھی کہتے ہیں، لوگوں کے سامنے روتے، تکالیف کا اظہار کرتے، اہل و عیال کی یا بیماریوں کی شکایتیں

کرتے ہیں یا نقصانات وناکامیوں کے قصے رورو کر سناتے ہیں، حالانکہ یہ سارے حالات تقدیر کی وجہ سے آتے ہیں، اسلام اور ایمان والوں کو ان تمام حالات میں **اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ** کہنے کی تعلیم دی گئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو ان اوقات میں بیان کر کے روتا ہے، گریبان پھاڑتا، ماتم کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں، مسلم اور غیر مسلم میں یہ بہت بڑا فرق ہے کہ مسلم غم کے وقت آنسو بہا سکتا ہے مگر زبان سے شکوہ شکایت نہیں کرتا، غیر مسلم نفس پر قابو نہ رکھ کر ہر ایک سے جو چاہے جاہلانہ باتوں اور جاہلانہ رویہ کا اظہار کرتا ہے۔

نفسانی خواہشات انسان کو حیوان بنادیتی ہیں

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَیْتَ لَکَ. (یوسف:۲۳)

انسانی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ ہر زمانہ میں ترقی یافتہ، دولتمند سوسائٹی میں شرم وحیاء بالکل نہیں ہوتی، ان کی عورتیں بے پردہ ہو کر نیم برہنہ قسم کے کپڑے پہن کر مردوں کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں، بے پردہ ہو کر مردوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا آزادانہ ماحول ہوتا ہے، اور بعض حالات میں سیکس اور جنسی تعلقات کی کوئی اہمیت بھی نہیں رہتی، ان کے مرد اپنی بیویوں، بیٹیوں کا آزادانہ طور پر غیر مردوں کے ساتھ ملاقات، مذاق ودل لگی، خاطر تواضع اور تنہا ملاقات کرنے کو بُرا نہیں سمجھتے، اور اگر ان کی عورتوں یا لڑکیوں سے کوئی بُرا عمل یا گناہِ کبیرہ ہو جائے تو اس کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے یا چھپا دیا جاتا ہے، یا پھر گھر کے کسی کمزور یا غریب انسان پر اس الزام کو دھر دیا جاتا ہے، اور اپنی لڑکیوں اور لڑکوں کو درگذر کر کے معاملہ کو وہیں دبا دیا جاتا ہے، چنانچہ پچھلے زمانوں میں نوابوں، جاگیرداروں اور بادشاہوں کے محلات کی فضاؤں میں ایسا ہی ماحول ہوتا تھا اور اب دولتمند کھلے عام کلبوں، ہوٹلوں، کالجوں میں گرل فرینڈ اور بوائے فرینڈ بنا کر وقت گذارتے ہیں اور گھر سے باہر عیاشی کرتے ہیں، چنانچہ آج کل کے دولت مند طبقہ میں شراب، زنا، ناچ گانا بجانا، فضول خرچی، فیشن پرستی وغیرہ ویسی ہی ہے جیسے پچھلے زمانوں میں دولتمند طبقوں میں

تھی، یہ صورت بتلاتی ہے کہ ہر زمانہ کے ایمان سے دور انسانوں میں غریب و نادار لڑکے لڑکیوں کو برائی میں پھنسایا گیا اور اپنی اولاد کو بچا کر دوسرے انسانوں پر الزام لگا دیا گیا، دولت کی وجہ سے دولت مند طبقہ میں عیش و مستی اور آوارگی جیسی اخلاقی گراوٹ آ ہی جاتی ہے، اکثر لوگ اوپر سے انسان نظر آتے ہیں لیکن اندر سے حیوان ہوتے ہیں۔

حضرت یوسفؑ کو مصر میں عزیز مصر جو شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا اس گھر میں سہارا ملا، جہاں دولت مندوں کو عیش و آرام، عمدہ غذائیں سب کچھ میسر تھا، مگر انسانوں میں اخلاق حسنہ نہیں تھے، یقینی بات ہے کہ زلیخا جوان تھی، خوبصورت تھی، عیش و آرام میں تھی، آزاد ماحول میں تھی، ایسے ماحول میں مستی و عیاشی کا ذہن پیدا ہو جاتا ہے، حضرت یوسفؑ جوان تھے، دنیا کے سب سے زیادہ خوبصورت ترین انسان تھے، ان کو بھی اس ماحول میں عیش و آرام میسر تھا، باوجود وہ غلام کے غلام جیسے نہیں تھے، زلیخا ان کو اپنی طرف راغب کرنے ڈورے ڈالتی اور بن سنور کر ان کے سامنے سامنے رہتی، ان کو راغب کرنے کبھی کہتی کہ یوسف تمہارے بال کتنے خوبصورت ہیں، وہ کہتے کہ یہ بال مرنے کے بعد جھڑ جاتے اور جسم سے علاحدہ ہو جاتے ہیں، وہ کہتی تمہاری آنکھیں کتنی خوبصورت ہیں، وہ کہتے مرنے کے بعد پانی بن کر بہہ جائیں گے، وہ کہتے کہ تمہارا جسم کتنا خوبصورت ہے، وہ کہتے کہ مرنے کے بعد مٹی بننے والا ہے، غرض ایسے ماحول میں ایک نوجوان مرد کو حسین جوان نیم برہنہ رہنے والی، شہوت سے بھرپور عورتوں میں محفوظ رہنا بہت مشکل تھا، ایسے گھروں میں ننگا پن اور عریانیت کھل کر ہوتی ہے۔

مالک کے ساتھ خیانت کرنا انتہائی ذلیل حرکت اور ناشکری ہے

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّهُ رَبِّىٓ أَحۡسَنَ مَثۡوَاىَ إِنَّهُ لَا يُفۡلِحُ الظّٰلِمُونَ ○ (یوسف:۲۳)

عزیز مصر کی بیوی زلیخا آخر کار اپنے دل پر قابو نہ رکھ سکی اور شوہر کی غیر موجودگی میں چاروں طرف سے دروازے بند کر کے حضرت یوسفؑ کو زنا کی دعوت دی، جوانی کے عالم میں

اللہ نے حضرت یوسفؑ کو اپنے اوپر قابو رکھنے کے قابل بنادیا تھا، ہر جگہ اس کے شر سے محفوظ رہے مگر اب دروازے بند کر کے گناہ پر اُکسایا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اگر یوسفؑ اپنے رب کی برہان (نشانی) نہ دیکھ لیتے تو وہ بھی اس کی طرف بڑھ جاتے، درحقیقت وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھے“، قرآن نے واضح نہیں کیا کہ برہانِ رب کیا چیز تھی، مفسرین نے لکھا ہے کہ برہان سے مراد حضرت یوسفؑ نے عزیزِ مصر کی بیوی کو جو جواب دیا وہی برہان تھا، یعنی ایمان باللہ کا حقیقی تصور اور مربی کے احسان کا احسان مند ہونا بتلایا۔

☆ برائی کی دعوت دیتے وقت زلیخا کے گھر میں ایک بت تھا اس نے اس پر پردہ ڈالا تھا، حضرت یوسفؑ نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ یہ میرا معبود ہے، اس کے سامنے برائی کرنے کی ہمت نہیں، تب حضرت یوسفؑ نے فرمایا: میرا معبود اس سے زیادہ حیاء کا مستحق ہے، اس کی نظر کو کوئی پردہ نہیں روک سکتا، تم بے حس و بے جان بت سے شرم محسوس کرتی ہو، میں اپنے سچے، حیّ و قیوم رب سے حیاء کرتا ہوں، (روح المعانی) حضرت ابراہیمؑ کا پوتا، حضرت اسحاقؑ و حضرت یعقوبؑ کا نورِ نظر، خانوادۂ نبوت کا چشم و چراغ، منصب نبوت کے لئے منتخب بندہ، بھلا نفس کے قابو میں کیسے آسکتا تھا، زلیخا کے ناپاک عزائم کو کیسے پورا کرسکتا تھا۔

☆ مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں برہان سے مراد فطرت سلیم یعنی ضمیر بھی ہوسکتا ہے، جسے ہم نفس مطمئنہ کہتے ہیں، جو انسان ضمیر کی حفاظت کرتے ہیں ان کے اندر یہ زندہ رہتا ہے اور قوی سی قوی تر ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ انتہائی مشکل اور گناہ کے حالات میں بھی نفس اور شیطان کو انسان پر مسلط ہونے نہیں دیتا، اس کے برعکس جو لوگ ضمیر کو مردہ بنالیتے ہیں اس کی رہنمائی کے خلاف چلتے ہیں ان کے اندر وہ آہستہ آہستہ کمزور ہو کر بجھ جاتا ہے اور ان کے دل پر سیاہی چھا جاتی ہے، پھر وہ اخلاقی اعتبار سے اندھا بہرا بنا کر چھوڑ دیتا ہے، ایسا انسان برائی اور گناہ اور سخت ماحول میں اس برہان سے مدد حاصل نہیں کرسکتا، شیطان اور نفس کا شکار ہو جاتا ہے، حضرت یوسفؑ کا ضمیر زندہ تھا، اللہ کی مدد سے اس ضمیر کے نور کی قدر کی، اس نور نے ان کو نفس اور شیطان کے جال میں پھنسنے سے

بچالیا، حالانکہ اس وقت وہ بھر پور جوانی ۱۹ر سے ۲۰ر سال میں تھے۔

مصر پہنچنے کے بعد ان کو اللہ نے پیغمبری عطا کی، زلیخا کی حرکتوں پر اس کو نصیحت کرتے رہے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور اپنے ارادے سے باز آجائے، اس سے کہا کہ تمہارے شوہر نے میری پرورش کی، مجھے اچھا ٹھکانا دیا، وہ میرا آقا ہے، اس نے مجھے عزت واحترام سے رکھا، وہ میرا محسن ہے، اگر میں تمہارے ساتھ برائی کروں گا تو اس کے ساتھ خیانت ہوگی، بڑا ظلم ہوگا، یہ نمک حرامی اور بے وفائی ہوگی اپنے مالک کے ساتھ، میں ظالم ٹھہروں گا، ظلم کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے، یہ عمل ناممکن ہے، میں اللہ کی پناہ میں رہ کر اس کی نافرمانی نہیں کرسکتا، معاذ اللہ کہہ کر شیطان کے پورے منصوبہ کو ناکام بنادیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے یہ الفاظ ہر زانی مرد وعورت کو یاد رکھنا چاہئے اور اس تقریر سے عبرت ونصیحت حاصل کرنا چاہئے کہ ایک نوجوان نے اپنے دنیوی آقا کی ادنیٰ مہربانی کا اتنا لحاظ رکھ کر اور مجازی آقا کی خیانت کرنے سے انکار کردیا، اور اپنی دنیا و آخرت کی بربادی تصور کر رہا ہے۔

عورت سوچے کہ میں ایک بیوی ہوں، میں اپنے آپ کو شوہر کی زوجیت میں دے چکی ہوں، وہ میرا مالک ہے، میں اس کے گھر کی ملکہ ہوں، اس نے مجھے مال حوالے کیا، اپنی عزت وآبرو اور اپنی امانت میرے حوالے کی اور عزت وسکون دیا، لیکن میں وفاداری کے بجائے بے وفائی اور اور نمک حرامی کر رہی ہوں، اسی طرح مرد اور عورت کو خیال کرنا چاہئے کہ اللہ نے انہیں رسول اللہ ﷺ کی امت میں پیدا فرما کر بہت بڑا مقام ومرتبہ دیا، قرآن دیا، پھر نعمتوں میں رکھا، نکاح کے ذریعہ عزت والی زندگی دی، بیوی بچے دئے، اس کے باوجود میں جانوروں کی طرح اپنی خواہشات کو کلبوں، ہوٹلوں، زنا کے اڈّوں پر پوری کروں تو یہ میرے مالک کے ساتھ بغاوت وناشکری ہے، ایسے عورت اور مرد سرکاری بیت الخلا کی طرح استعمال ہوتے رہتے ہیں اور Pulice Property بن جاتے ہیں۔

یہ تقریر انہوں نے ایک ایسی عورت کے سامنے کی جو خدا اور آخرت سے نڈر تھی،

اس میں ذراسی بھی شرافت ہوتی تو وہ سوچ سکتی کہ یہ ایک نوجوان جو بھرپور جوانی میں ہے، اپنے وقتی مجازی آقا کا اتنا لحاظ رکھ رہا ہے کہ اس کے غیاب میں کھلے طور پر دعوتِ برائی دے رہی ہوں تو وہ اپنے آقا سے بے وفائی نہیں کرنا چاہتا، اور ایک میں ہوں کہ اس کی بیوی ہوں، اس نے مجھے عمدہ زندگی میں رکھا، میں اس کے گھر کی ملکہ ہو کر اس کے مال پر مالکانہ تصرف رکھ کر بھی اس کے زرخرید غلام سے تعلق پیدا کر کے بے وفائی اور خیانت کر رہی ہوں اور عزت دار زندگی چھوڑ کر ذلت والی زندگی اختیار کر رہی ہوں۔

رشتہ داری کے باوجود انصاف کی بات کرنا طرفداری نہ کرنا

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَن نَّفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا. (یوسف:۲۶)

اس قصہ میں ایک نصیحت یہ ہے کہ رشتہ داری کے باوجود حق وانصاف کی بات کرنا، حضرت یوسفؑ زلیخا سے بچنے کے لئے جیسے ہی ایک دروازے کی طرف دوڑے اللہ کی قدرت سے دروازہ کھل گیا، دروازے کے باہر عزیز مصر اور زلیخا کا ایک رشتہ دار ٹھہرے تھے، زلیخا نے فوراً اپنے بچاؤ کے لئے حضرت یوسفؑ پر زنا کا الزام لگادیا، جسے قرآن نے بیان کیا: **قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَن يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ.** (یوسف:۲۵) ''کہنے لگی کیا سزاء ہے اس شخص کی جو تمہاری گھر والی پر نیت خراب کرے، اس کے سوا اور کیا سزا ہوسکتی ہے کہ وہ قید کیا جائے یا اسے سخت سزا دی جائے''، حضرت یوسفؑ نے کہا یہی مجھے پھانسنے کی کوشش کر رہی تھیں، عزیز مصر ثبوت اور گواہ نہ ہونے کی وجہ سے سمجھ نہ سکا کہ غلطی کس کی ہے اور مجرم کون ہے؟

☆ اس وقت زلیخا ہی کا ایک رشتہ دار جو عزیز مصر کے ساتھ آیا تھا اس نے صاف صاف انصاف کی بات کہی کہ اگر قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو عورت جھوٹی ہے اور اگر قمیص سامنے سے پھٹی ہے تو مرد جھوٹا اور عورت سچی ہے، جب دیکھا گیا کہ قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو عزیز مصر سمجھ گیا کہ اس میں اس کی بیوی ہی کی زیادتی ہے، اس نے فوراً کہا یہ تم عورتوں کی چالاکیاں

ہیں، واقعی بڑے غضب کی ہوتی ہیں تمہاری چالیں، حضرت یوسفؑ سے کہا اس معاملہ کو درگذر کردو اور کہا اے عورت تو اپنے قصور کی معافی مانگ! تو ہی اصل میں خطا کار تھی۔

☆ غرض اس طرح کے جب واقعات دولت مندوں کے گھروں میں ہوجاتے ہیں، درگذر کر کے معاملے کو وہیں دبا دیا جاتا ہے اور گھر سے باہر اپنے افراد کی بدنامی کو جانے نہیں دیتے، ایسے لوگ ظاہر میں ایک ڈرامہ کرتے اور بدنامی کو چھپانے کچھ سخت اور ناراضگی کا اظہار کردیتے ہیں، مگر اکثر اوقات ایسے گھروں میں جو کچھ ہوتا ہے وہ لازماً باہر آجاتا ہے، شاہی خاندان کی تمام عورتوں میں زلیخا کی بدنامی ہونے لگی کہ وہ اپنے غلام کی عاشق بن گئی ہے، اس بدنامی سے بچنے کے لئے زلیخا نے حضرت یوسفؑ کی حقیقت سمجھانے ان کو اپنے گھر دعوت دے کر بلایا، وہ عورتیں بھی حضرت یوسفؑ کو دیکھتے ہی ان پر فریفتہ ہوگئیں اور ہاتھ پر چاقو چلالیا، پھر سب نے حضرت یوسفؑ پر ڈورے ڈالنے لگ گئیں، ذرا غور کیجئے بے دین دولتمند گھرانوں کا کیا عالم ہوتا ہے۔

دوسری تعلیم یہ ملتی ہے کہ ایسے حالات میں چاہے قریب کا رشتہ ہی کیوں نہ ہو ہمیں انصاف کی بات کرنا ہوگا، غیر ضروری مجرم کی طرفداری نہ کریں اور غلط مشورہ نہ دیں۔

گناہ سے محفوظ رہنے پر اپنی بڑائی و پاکبازی بیان نہ کرنا

وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِىٓ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌۢ بِالسُّوٓءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّىٓ إِنَّ رَبِّى غَفُورٌ رَّحِيمٌ٥

''اور میں اپنے نفس کی براءت نہیں کررہا ہوں نفس تو بدی پر اکساتا ہی ہے الا یہ کہ کسی پر میرے رب کی رحمت ہو، بے شک میرا رب معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے''۔ (یوسف:۵۳)

حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی کہ اگر تو نے ان کی چالوں کو مجھ سے دفع نہ کیا تو میں ان کے جال میں پھنس جاؤں گا اور جاہلوں میں شامل ہوجاؤں گا، ان کے رب نے دعاء قبول کی اور عورتوں کی چالیں ان سے دفع کردیں، بے شک وہی ہے جو سب کی سنتا ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔

اس سے یہ نصیحت ملتی ہے کہ انسان گناہ سے بچنے اور اعمال صالحہ کرنے میں اللہ کی مدد کا محتاج ہے، بغیر اللہ کی مدد کے وہ نہ نیکی کر سکتا ہے اور نہ گناہ سے بچ سکتا ہے، اس لئے انسان اعمال صالحہ اور اطاعت خداوندی کر کے اس کو اپنی کوشش اور صلاحیت نہ سمجھے، حضرت یوسفؑ نے اپنے نفس کی مجبوری کا اس موقع پر زبردست اظہار کیا اور ایک جلیل القدر نبی اور مقرب بارگاہِ الٰہی ہونے کی وجہ سے یہ ظاہر کر دینا اور انسانوں کو یہ تعلیم دینا ضروری تھا کہ میری پاکبازی اور گناہ سے بچنے کا معاملہ میرے اپنے نفس کی وجہ سے نہیں ہے، کیوں نفس انسانی تو ایسے موقعوں پر اکثر برائی کی طرف غلبہ پاتا ہے اور برائی پر ابھارتا ہی ہے، اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی مدد نہ ہوتی تو میں برائی میں پھنس جاتا اور میں بھی جاہلوں میں شامل ہو جاتا، اس لئے انسانوں کو یہ سبق دیا گیا کہ وہ نیکی کر کے اپنی پاکبازی پر نہ اترائے اور برائی سے بچنے کے لئے اپنی طاقت کا احساس نہ رکھیں۔

اللہ کے نیک بندے تو اپنے کسی کمال کو اپنی طرف منسوب کرنا گوارا نہیں کرتے، بلکہ ہر نیکی اور خوبی کو اللہ کا احسان مانتے ہیں، حضرت یوسفؑ سمجھتے تھے کہ اگر اللہ کی مہربانی اور نوازش نہ ہوتی اور مجھے نفس کے حوالے کر دیا جاتا تو میں جذبات سے بے قابو ہو جاتا اور اللہ کی نافرمانی سے بچ نہیں سکتا تھا۔

بے دین حکومتوں میں ناانصافی اور ظلم بہت ہوتا ہے

ثُمَّ بَدَا لَهُم مِّن بَعْدِ مَا رَأَوُا الآيَاتِ لَيَسْجُنُنَّهُ حَتَّى حِينٍ۝ (یوسف:۳۵)

دنیا میں عام طور پر ناانصافی اور ظلم بھی بہت ہوتا ہے، حکومتیں یا شاہی خاندان والے اپنی ذاتی، خاندانی و سیاسی دشمنی پر کسی بھی بے قصور انسان کو عدالت میں جرم ثابت کئے بغیر یا جھوٹا الزام لگا کر جیل میں ڈال دیتے ہیں اور مدت مقرر کئے بغیر زبردستی جیل میں رکھتے ہیں، عزیز مصر اچھی طرح جانتا تھا کہ زلیخا نے زیادتی کی اور غلطی زلیخا کی تھی، مگر شاہی خاندان میں یہ بدنامی ہو رہی تھی اور شاہی خاندان کی عورتیں حضرت یوسفؑ کی

طرف مائل ہورہی تھیں، اس لئے حضرت یوسفؑ کو مجرم بتلانے اوراپنی بدنامی کو چھپانے کے لئے حضرت یوسفؑ کوجیل بھیج دیا گیا اور بغیر مدت مقرر کئے، بغیر مقدمہ چلائے جیل کے حوالے کردیا گیا، عام طور پر دولت مند اور شاہی خاندان کے لوگ اپنی خرابیوں، گناہوں کو چھپانے اور بدنامی سے بچنے کے لئے ایسے ہی فیصلہ کرتے ہیں تاکہ اونچے گھرانوں کی عزت کا تحفظ ہوسکے، بے گناہ انسان کو قید کرکے یہ تصور کیا جاتا ہے کہ یہ اگر دور ہوجائے تو خود بخود لوگ برائی کو بھول جائیں گے، بدنامی ختم ہوجائے گی یا لوگوں کا ذہن ہماری طرف سے پلٹ کر بے قصور مجرم کی طرف چلا جائے گا، اس قصہ میں اس کو ناانصافی اور ظلم بتلایا گیا، اس طرح کے عمل سے ایمان والوں کو دور رہنا چاہئے اور خالص سچائی کے ساتھ فیصلہ کرنا ہوگا، ورنہ حساب لینے والا اصل اللہ ہی ہے، دنیا میں چاہے کتنا ہی کسی پر ظلم کرلے، آخرت میں اللہ کے پاس چھوٹ نہیں سکتے، وہاں نہ کسی کی دولت، طاقت، عہدہ اور کرسی کچھ بھی کام نہیں آئے گی، مظلوم کو ظالم سے بدلہ دلایا جائے گا۔

اللہ کے نزدیک ظاہری حسن وخوبصورتی کی کوئی اہمیت نہیں!

اس قصہ سے یہ نصیحت ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر کسی کو ظاہری حسن وخوبصورتی عطا کرے تو وہ اپنے اندر باطنی کمال اور خوبصورتی بھی پیدا کرلے، صورت کے ساتھ ساتھ سیرت بھی عمدہ ہو، ورنہ اس کی ظاہری خوبصورتی اور جسم کو دوزخ کے حوالے کردیا جائے گا، اس لئے اللہ کے نزدیک وہی انسان قابل قدر اور مرتبہ ومقام والا ہے جس میں ظاہری حسن کے ساتھ ساتھ باطنی کمال یعنی تقویٰ وپرہیزگاری بھی ہو، ظاہری حسن وخوبصورتی نہ بھی ہوتو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں، حضرت بلالؓ اور حضرت ام ایمنؓ کالے اور موٹے ہونٹ والے تھے، مگر اللہ کو پیارے تھے۔

☆ دنیا میں مردوں کے مقابل اکثر عورتوں میں حسن وخوبصورتی آجاتی ہے تو وہ غرور وتکبر کا شکار ہوکر قابو سے باہر ہوجاتی ہیں، ان کو اپنے حسن پر غرور وفخر ہوتا ہے، وہ اپنا حسن غیر مردوں کو

دکھا کر ان کو اپنی طرف راغب کرنا چاہتی ہیں، غیر مردوں کی آنکھوں میں رہنا چاہتی ہیں، یہ عام بیماری اکثر بے شعور عورتوں میں پائی جاتی ہے، بعض عورتیں تو اپنے حسن کو فروخت کر کے پیسہ کماتی ہیں، چنانچہ دنیا میں بہت سے انسان حسین وخوبصورت ہوتے ہیں، مگر اخلاق حسنہ و اعمال صالحہ سے خالی ہوتے ہیں اور اخلاقِ رذیلہ اور برے اعمال میں مبتلا ہوتے ہیں۔

☆ اس سے یہ نصیحت ملتی ہے کہ جس طرح ظاہری حسن وخوبصورتی ملے تو اپنے اندر باطنی حسن وخوبصورتی، تقویٰ کے ذریعہ پیدا کی جائے، اللہ باطنی حسن وکمال والوں سے محبت کرتا ہے، انسان کی صورت نہیں سیرت اصل ہے، ابولہب گورا اور شعلہ جیسا چمکدار چہرہ رکھتا تھا، مگر دوزخی بن کر دنیا سے گیا، حضرت یوسفؑ حسنِ ظاہری کے ساتھ ساتھ حسن باطنی بھی رکھتے تھے اور ان کا یہ حسن باطنی ان کے اخلاق حسنہ اور اعمالِ صالحہ سے ظاہر ہوا، گویا وہ اللہ کی عبدیت و بندگی کا بہترین نمونہ بن کر ظاہر ہوئے، وہ جتنے حسین تھے اس سے زیادہ ان کی سیرت بھی حسین وخوبصورت تھی، اللہ ظاہری حسن دیتا ہے لیکن سیرت کا حسن انسان کو اپنے اندر پیدا کرنا پڑتا ہے۔

ایمان والوں کو مصیبت میں بھی اپنی ذمہ داری یاد رکھنا چاہئے!

اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ پر نبوت ختم کر کے امت مسلمہ کو دنیا کی دوسری قوموں کو حق کی طرف بلانے اور سمجھانے کی ذمہ داری دی ہے، اس واقعہ میں یہ سبق دیا گیا کہ اگر ایمان والے لوگوں کے ظلم وزیادتیوں کا شکار ہوجائیں تب بھی دعوتِ دین دینا ہوگا اور اخلاق حسنہ کا مظاہرہ کرنا ہوگا اور ان پر رسالت کو پہنچانے، ایمان کی دعوت دینے کی جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس کو یاد رکھنا ہوگا، حضرت یوسفؑ پیغمبر تھے، انہوں نے قید میں بھی اپنی ذمہ داری کو یاد رکھا اور داعی جس طرح اپنے اخلاق حسنہ سے لوگوں کو اپنی طرف راغب کرتا ہے اور پھر ایمان کو سمجھاتا ہے اس کی بہترین مثال اس قصہ میں بیان کی گئی ہے، جب قیدی اپنا خواب دریافت کرنے آئے تو خواب کی تعبیر سے پہلے انہوں نے ان

کو ایمان کی دعوت دی، ان کو توحید و رسالت اور آخرت سمجھایا اور کھانا آنے سے پہلے تعبیر بتلانے کا وعدہ کیا، اللہ نے خواب کی تعبیر کا علم حضرت یوسفؑ کو بطور معجزہ دیا تھا۔

ذرا غور کیجئے کہ آخر اللہ نے حضرت یوسفؑ پر جو ظلم ہوا اس کے ساتھ ساتھ جیل میں قیدیوں کو توحید سمجھانے اور ایمان کی دعوت دینے کو جو پیش کیا ہے اس کے ذریعہ دراصل امت مسلمہ کو تربیت دینا مقصود بھی ہے، اس لئے اب قیامت تک کوئی نبی آنے والا نہیں، امت مسلمہ کو زندگی کے ہر شعبہ میں دعوتی ذہن کے ساتھ زندگی گذارنا ہوگا، حضرت یوسفؑ کے اس قصہ میں اللہ نے دعوتِ ایمان دینے کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے۔

اس قصہ میں توحید وایمان کی جامع ومختصر تشریح ہے

يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ٥ (یوسف:۳۹)

اس قصہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ایمان اور توحید کو سمجھانے کی جامع تشریح کا ذکر کیا گیا اور توحید کو مختصر الفاظ میں مکمل سمجھا دیا گیا، اس کو ہر داعی اپنے ذہن میں رکھے۔

''سب سے پہلے انہوں نے کہا: میں نے اس قوم کا دین چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور آخرت کا انکار کرنے والے ہیں، میں نے پیروی اپنے آباء واجداد ابراہیم واسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے دین کی کی، ہمارے لئے مناسب نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی شئی کو شریک ٹھہرائیں''، ان لوگوں سے سوال کر کے یہ سمجھایا گیا کہ تم لوگ ہی بتاؤ کہ بہت سے خداؤں کی بندگی بہتر ہے یا ایک اللہ کی جو ہر چیز پر غالب وقادر ہے۔

اس کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ یوں بیان فرماتے ہیں مشرک انسان اس غلام کی طرح ہے جو کئی آقاؤں کا نوکر اور غلام ہے، سب اس کے مالک ہیں، ہر ایک اس کو اپنی طرف کھینچتا ہے، غلام کی ناک میں دم کر دیتے ہیں، ایک کو راضی کرتا تو دوسرے خفا ہو جاتا، یہی حال مشرک کا ہے، وہ کئی معبودوں کا غلام بن جاتا ہے، ایک کو راضی کرے تو دوسرے معبود ناراض ہو جائیں، اس کے برعکس ایک غلام کا ایک ہی آقا ہو وہ اسی کی فرمانبرداری

کرتا ہو تو وہ اطمینان وسکون سے رہ سکتا ہے، حضرت یوسفؑ نے سمجھایا: تم خود ہی سوچو کہ بہت سے مختلف خدا بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے۔

مشرک انسانوں کو شرک سمجھانے اور توحید کا سبق دینے کے لئے یہ بہت ہی جامع اور مختصر تشریح ہے، عقل وشعور سے کام لینے والوں کو توحید آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔

غلطی اور بھول پر لوگوں سے بغض وعداوت نہ رکھنے کی تعلیم

قَالَ لاَ تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ ο (یوسف:۹۲)

اس قصہ میں انسانوں کے ظلم وزیادتی، غلطی اور بھول پر ان سے بغض وعداوت نہ رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

☆ قیدی حضرت یوسفؑ کی رہائی کا تذکرہ بادشاہ کے سامنے کرنا بھول گیا، اس کی وجہ سے ان کو مزید کئی سالوں تک قید ہی میں رہنا پڑا، مگر جب وہ بادشاہ کے خواب کی تعبیر پوچھنے آیا تو حضرت یوسفؑ نے اس سے کوئی گلا شکوہ نہیں کیا اور نہ ہی ناراضگی کا اظہار کیا، اس کا تذکرہ کئے بغیر خواب کی تعبیر وتدبیر بتلادی۔

☆ جس قوم کے لوگوں نے ان کو ذلیل کیا اور بغیر کسی جرم کے جیل میں سالوں تکلیف دی، جب ان پر مصیبت آنے والی تھی تو یہ نہیں کہا کہ جو ظالم مجھے تکلیف میں ڈالے رکھے اور زبردستی قید کر کے جیل میں بند رکھا ان کو سزا ملنی چاہئے، وہ قحط اور خوشک سالی سے تباہ ہو جائیں؛ بلکہ بغیر کسی بغض وعداوت اور ملامت کئے بغیر صاف دل کے ساتھ بادشاہ کے خواب کی نہ صرف تعبیر بتلائی بلکہ اس مصیبت سے بچنے کی تدبیر بھی بتلائی تاکہ انسانوں کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے اور بادشاہ کے پاس جانے کے بعد اس مصیبت سے بچنے اور مدد کرنے کا پیشکش بھی کیا۔

☆ بھائیوں نے ظلم کیا، قتل کرنا چاہا اور غلہ مانگنے قحط کے دوران مصر آئے تو ان کو پہچاننے کے باوجود ان سے کوئی شکایت نہیں کی اور کھلے دل سے غلہ دیا، ان سے بدلہ نہیں نکالا۔

☆ عام طور پر انسانوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ اگر کوئی ان کو ستائے، ظلم کرے یا مدد نہ کرے تو ان کی مصیبت کے وقت یا مدد مانگنے پر ان سے اپنا بدلہ وانتقام لیتے ہیں، اور ان کو معاف نہیں کرتے، دل میں ان سے بغض وعداوت رکھتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے وقت حضرت یوسفؑ ہی کی طرح مشرکینِ مکہ کے قصور معاف کئے اور ان کو امن دیا، اللہ یہ چاہتا ہے کہ ایمان والے بندے دنیا کی زندگی میں اس کی صفات عفور و درگذر اور تواب کی نقل کریں، خلیفہ زمین اگر مالک کی نقل کرے گا تو کامیاب خلیفہ بن سکتا ہے، انسان اس کی زندگی سے متاثر ہوسکتے ہیں، وہ ان سے حق کی بات کرسکتا ہے، لوگ اس سے قریب آسکتے ہیں، ویسے رسول اللہ ﷺ نے اسلام کے بہت سے سخت دشمنوں کو معاف کیا جس کی وجہ سے ان کو صحابی بننے کا موقع ملا، اگر مسلمان حضرت یوسفؑ کے اس عمل پر نظر رکھیں گے تو وہ خاندانی دشمنی اور لوگوں کی زیادتیوں پر عفو و درگذر کرکے ان سے تعلقات باقی رکھ سکیں گے اور اللہ کی صفات عفوودرگذر اور رحم کی نقل کرسکیں گے۔

لوگوں کی دنیوی پریشانیوں کو دور کرنا بھی مسلمان کا کام ہے!

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے بادشاہ کے خواب کا ذکر کیا گیا تو آپ نے اس کی تعبیر بتلائی اور پھر قحط سے پہلے اور بعد کے زمانوں میں غلہ کی حفاظت کا طریقہ بھی بتلایا اور ضرورت کے تحت صاف کرکے استعمال کرنے اور غلہ خراب نہ ہونے کا طریقہ بھی سکھایا، غلہ خوشحالی کے زمانہ میں کیسے محفوظ کیا جائے، قحط کے زمانہ میں کیسے استعمال کیا جائے بتلایا۔

☆ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ مسلمان دوسرے انسانوں کی صرف ایمان وآخرت کی ہی فکر نہ کریں بلکہ دنیا کے اعتبار سے ان پر جو پریشانی اور معاشی تنگدستی پیدا ہونے کا خطرہ ہو تو ان حالات کو درست رکھنے کے مشورے بھی دیں، جیسے حضرت یوسفؑ نے تعبیر کے ساتھ ساتھ حکیمانہ انداز میں خیر خواہانہ مشورہ بھی دیا تھا کہ پیداوار کے خوشوں کے اندر (سٹوں) دھان ہی میں رہنے دیں تا کہ کیڑا نہ کھانے پائے اور غلہ محفوظ رہے۔

☆ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ہمیں حقوق العباد کے تحت سارے انسانوں کی خیر خواہی کی فکر ہونی چاہئے، زلزلے، طوفان، فسادات، آندھی بیماریاوں میں ان کو بچانے اور مدد کرنے کی بھی فکر کرنی چاہئے، جب اللہ ان کی نافرمانیوں کے باوجود سورج، چاند، زمین، ہوا، پانی، پھل اور غلوں وغیرہ جیسی تمام نعمتیں دے رہا ہے تو ہمیں بھی اللہ کی صفات کی نقل کرتے ہوئے انہیں ایمان واسلام کی دعوت کے ساتھ ساتھ دنیا کی مشکلات سے بچانے کی فکر کرنی چاہئے، حضرت یوسفؑ نے نہ صرف مشورہ دیا بلکہ خود ذمہ داری قبول کر کے امانت دار بن کر قحط کے حالات کو سنبھالا اور لوگوں کو بھوکا پیاسا مرنے سے بچایا، اس میں یہ حکمت سمجھ میں آتی ہے کہ جب ہم لوگوں کے خیر خواہ بنیں گے تو لوگ ہم سے قریب آئیں گے اور ہم ان تک دعوتِ دین پیش کرسکیں گے، اس نکتے کو عیسائیوں نے خوب سمجھا اور وہ عوام میں یہی طریقہ خیر خواہی وہمدردی اختیار کئے ہوئے ہیں۔

بوقت ضرورت زندہ انسان کی مدد لیناخداپرستی کے خلاف نہیں!

حضرت یوسف علیہ السلام جیل سے رہا ہونے والے اور پھانسی سے بچ جانے والے قیدی سے کہا تھا کہ وہ بادشاہ سے ان کا ذکر کرے کہ انہیں بے قصور ہی جیل میں ڈال دیا گیا ہے، بعض شارحین نے حضرت یوسفؑ کے اس طرح قیدی کے ذریعہ بادشاہ تک اپنی گذارش پہنچانے پر یہ لکھا ہے کہ حضرت یوسفؑ دنیا کے تمام اسباب کو چھوڑ کر صرف اللہ سے اپنی رہائی کی درخواست کرتے اور اللہ پر بھروسہ کرتے، اللہ کے نزدیک یہ بات حضرت یوسفؑ کے شایانِ شان نہیں تھی کہ وہ اپنی رہائی کے لئے کسی دنیوی اور انسانی ذرائع سے مدد طلب کریں، اللہ کے مخلص بندوں کا فرض یہ ہے کہ وہ خالص اللہ کے ہوجائیں، اپنی حاجات وضروریات میں صرف اسی کو پکاریں اور مدد طلب کریں۔

☆ اسی طرح اکثر لوگ یہ تلقین کرتے ہیں کہ وہ اپنی ضرورتوں میں انسانوں سے اور اسباب سے کوئی سہارا نہ لیں، یہ بات صحیح نہیں! مصائب اور ضروریات کے موقع پر زندہ

انسانوں سے استعانت اور مدد لینا حق اور خدا پرستی کے خلاف نہیں، کسی جائز مقصد کے لئے جائز تدابیر و وسائل کا اختیار کرنا توکل علی اللہ کے خلاف نہیں، اللہ کے نزدیک پسندیدہ بندہ وہ نہیں ہے جو توکل کے نام پر ہاتھ پر ہاتھ باندھ کر اسباب کو اختیار کئے بغیر بیٹھا رہے، اپنا فائدہ حاصل کرنے کا موقع میسر آئے تو اُسے ضائع نہیں کرنا چاہئے، مؤمن کی شان تو یہ ہے کہ وہ اللہ سے مدد مانگتے ہوئے اسباب اختیار کرتا ہے، صرف اسباب پر بھروسہ نہیں کرتا، تدابیر سے کام لے کر اسباب و ذرائع کا استعمال کرنا انسان کی ذمہ داری ہے، اس لئے کہ دنیا دار الاسباب ہے، لیکن ان تدابیر اور اسباب سے فائدہ ہونا نہ ہونا تقدیر اور حکمت الٰہی پر منحصر ہے، اللہ کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ قیدی بادشاہ کے سامنے حضرت یوسفؑ کا ذکر بھول جائے اور حضرت یوسفؑ ابھی کچھ وقت جیل ہی میں رہیں؛ جب تک بادشاہ کو خواب نظر نہ آجائے، حضرت یوسفؑ نے جو تدبیر اختیار فرمائی وہ اللہ کی تقدیر کے مقابلہ کارگر ثابت نہ ہوسکی، مگر تدبیر اختیار کرنا ہے۔

اچھے کام میں تاخیر کو اللہ کی حکمت سمجھیں، ہم حکمت سمجھ نہیں سکتے!

کسی بھی کام میں دعا قبول ہونے یا کام کے ہونے میں دیر ہو تو اُسے اللہ کی حکمت سمجھیں، اللہ سے ناامید نہ ہوں، اس لئے کہ ہم اللہ کے منصوبے اور حکمت کو سمجھ نہیں سکتے۔

اس قصہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے دیر سے رِہا ہونے میں اللہ کی حکمت سمجھائی گئی، حضرت یوسفؑ نے رِہا ہونے والے قیدی سے بادشاہ کے سامنے ان کا ذکر کرنے کو کہا تھا، مگر وہ شیطان کے غلبہ میں آکر بھول گیا، اس بھولنے میں اللہ کی حکمت دیکھئے کہ اس وقت بادشاہ کو کوئی خواب وغیرہ نظر نہیں آیا تھا، اور اس کو خواب کی تعبیر کی حاجت نہیں تھی، اگر قیدی کے کہنے پر حضرت یوسفؑ اس وقت بادشاہ کے رحم و کرم پر چھوٹ جاتے، جبکہ بادشاہ کو حضرت یوسفؑ کی ضرورت ہی نہیں تھی اس وقت حضرت یوسفؑ کو اپنے اوپر لگے ہوئے داغِ بدنامی اور الزام کو ہٹانا بہت مشکل ہوتا اور قیدی کے

تذکرہ سے چھوڑے جاتے تو اپنی بے گناہی یا پاکبازی کو ثابت نہیں کر سکتے تھے، اس وقت مجبور ومحتاج ہوکر بادشاہ سے اپنے بے گناہ ہونے کی درخواست کرنا پڑتا، اللہ نے اپنی حکمت اور تدبیر سے بادشاہ کو خواب نظر آنے کے بعد قیدی کو حضرت یوسفؑ کی یاد دلائی، اس وقت بادشاہ اپنے خواب کی تعبیر معلوم کرنے بے چین تھا، درباری اس خواب کی تعبیر بتلانے میں ناکام ہو چکے تھے، کوئی بھی خواب کی تعبیر صحیح نہیں دے رہا تھا، یہاں تک کہ بعض نے تو اس خواب کو بیکار سمجھا، قیدی کے بھولنے کی وجہ سے حضرت یوسفؑ کو خواب کے نظر آنے تک چند سال مزید جیل ہی میں رہنا پڑا اور پھر خواب کی تعبیر کے ساتھ حسنِ تدبیر سننے کے بعد بادشاہ کو حضرت یوسفؑ کی شدید ضرورت محسوس ہوئی، یہ سب اللہ کی حکمت ہے، انسان اس حکمت کو بروقت نہیں سمجھ سکتا، جب اس تاخیر کا نتیجہ وحکمت ظاہر ہوتی ہے تب اس تاخیر کی حکمت سمجھ میں آتی ہے اور پھر اس تاخیر کی حکمت پر بہت خوش بھی ہوتا ہے، قیدی کو بھلا کر اللہ نے ان کے لئے عزت دار حالات پیدا فرمائے اور وہ پوری عزت وشان کے ساتھ جیل سے رہا ہوئے، اس لئے اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ کوئی بھی کام میں اگر تاخیر اور دیر سے ہو تو اس میں ہماری بہتری ہے، اللہ اپنے بندے کی اچھائی ہی چاہتا ہے، اس لئے دیر یا تاخیر ہونے میں اللہ سے ناامید نہیں ہونا چاہئے، اللہ سے اچھی امید رکھنا دعائیں کرنا کوئی شکایتی کلمات زبان سے ادا نہ کرنا، اللہ کی حکمت اللہ ہی جانتا ہے، لوگ مختلف منفی حالات پر ناامید ہو جاتے ہیں، صبر نہیں کرتے، وقتی تکلیف کو برداشت نہیں کرتے، یہاں تک کہ بعض حالات میں ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

داعی اپنے تعلق سے لوگوں میں بدگمانی پیدا نہ ہونے دے!

اسی واقعہ میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ جب بادشاہ نے قیدی کے ذریعہ خواب کی تعبیر اور تدبیر سنی تو بے چینی کے ساتھ حضرت یوسفؑ کو بلا بھیجا کہ وہ ملاقات کرنا چاہتا ہے، وہ بادشاہ کے بلانے پر جلد بازی نہ دکھائے، اور نہ بادشاہ سے ملاقات کے لئے بے چین

ہوئے اور نہ جیل سے نکلنے میں جلدی دکھائی، وہ اللہ کے پیغمبر تھے، دربار میں حاضری سے پہلے اپنی بدنامی کا داغ مٹانا چاہا، تا کہ کوئی بھی الزام ان پر نہ رہے، بالکل پاکدامن ہوجائیں، قیدی سے کہا کہ میں الزام رکھ کر جیل سے باہر نہیں آسکتا، دنیا یہ سمجھے گی کہ میں نے واقعی کوئی غلط کام کیا تھا، شائد بادشاہ نے اپنی مہربانی سے مجھے چھوڑ دیا ہے، ورنہ میں مجرم ہوں اور لوگ مجھے ہمیشہ مجرم کی حیثیت سے یادرکھیں گے۔

☆ حضرت یوسفؑ نے ایسا اس لئے کیا کہ بادشاہ پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے کہ مجھے بلا کسی جرم کے جیل میں ڈالا گیا ہے، میں نے عزیزِ مصر کے ساتھ اس کی پیٹھ پیچھے کوئی بے وفائی نہیں کی ہے، وہ وقتی طور پر بادشاہ کی رضامندی سے فائدہ اٹھانا نہ چاہا؛ بلکہ الزام سے پاک ہونے کو سب سے زیادہ ترجیح دی؛ تا کہ سب پر یہ حقیقت واضح ہوجائے کہ میں بے گناہ جیل میں ڈالا گیا ہوں اور کسی کے ساتھ برائی نہیں کی تھی۔

جب یہ بات بادشاہ کے سامنے آئی تو اس نے کہا: بلاؤ ان لوگوں کو جنھوں نے ان کو جیل میں بھجوایا، تب ساری عورتوں اور خود زلیخا نے بھی یوسف کی بے گناہی کا اقرار کیا اور اپنی ہی غلطی مانی، حضرت یوسفؑ کے اقتدار پر آنے سے پہلے ہی ان کے غیاب میں مکمل تحقیق بادشاہ نے کرلی، ورنہ لوگ یہ کہہ سکتے تھے کہ حضرت یوسفؑ کے اثر ورسوخ سے عورتوں نے غلطی کا اقرار کیا۔

دعوت کا کام کرنے والے لوگوں کے لئے بے داغ ہوں!

اس سے داعی حضرات کو یہ بات ذہن نشین کرلینا چاہئے کہ داعی اسلام، مبلغ اور اصلاح کرنے والے اور قوم کے ذمہ دار لوگوں کو یہ فکر ہونی چاہئے کہ لوگوں میں ان کے لئے بدگمانی پیدا نہ ہونے پائے، اس سے ان کی دعوت وتبلیغ اور تعلیم پر بُرا اثر پڑتا ہے، لوگوں میں یہ بدگمانی اور غلط فہمی کی وجہ سے ان کی بات کا وزن ختم ہوجاتا ہے، قرطبی میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تہمت کے حالات سے بھی بچو! یعنی ایسے کاموں اور ایسے حالات اور ایسے مواقع

سے بھی اپنے آپ کو بچاؤ جن سے کسی کو ہم پر تہمت لگانے کا موقع ہاتھ آئے اور وہ ہمارے تعلق سے بدگمانی میں مبتلا ہو جائیں، خواص اور علماء کرام کو اس میں بہت احتیاط کرنی چاہئے۔

خود رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کا اہتمام فرمایا ہے، ایک مرتبہ ازواج مطہرات میں سے بی بی صفیہؓ آپ سے ملنے مسجد تک آئیں، واپسی پر آپ ﷺ ان کو چھوڑنے ساتھ ساتھ چلنے لگے، مدینہ کی اس گلی میں رات کا اندھیرا تھا، دو صحابہؓ نے جو سامنے سے گذر رہے تھے آپ ﷺ کو سلام کیا، جواب کے بعد آپ ﷺ نے فوراً ارشاد فرمایا: میرے ساتھ میری فلاں بیوی ہے، یہ اس لئے کہ کہیں دیکھنے والوں کو کسی اجنبی عورت کا شبہ نہ ہونا چاہئے، حضرت یوسفؑ نے بھی پہلے لوگوں کی غلط فہمی اور بدگمانی دور کرنے جیل سے نکلنے میں جلدی نہیں کی، اپنے مالک کے ساتھ وفاداری کرتے ہوئے اس کے احسان کو یاد رکھا، رہائی کے وقت بھی عزیز مصر کی بیوی کا نام تک نہ لیا، اس کو بدنام نہیں کیا؛ حالانکہ اسی نے سب سے زیادہ ناانصافی کی تھی، شاہی خاندان کی عورتوں کی طرف اشارہ کیا، اگر وہ بادشاہ کے رحم وکرم پر رِہا ہو جاتے تو قصور ثابت نہ ہوتا، اس طرح صرف انہی کو نقصان نہیں پہنچتا بلکہ دعوت وتبلیغ کے کام کو نقصان پہنچتا جو ان کی زندگی کا اصل نصب العین تھا، بخاری، ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت یوسفؑ کے صبر وضبط کو بہت سراہا اور فرمایا: اگر میں اتنی مدت جیل میں رہتا جتنا حضرت یوسفؑ رہے اور پھر مجھے رہائی کے لئے بلایا جاتا تو فوراً قبول کر لیتا۔

حضرت یوسفؑ نے دعا فرمائی کہ پروردگار! تو ان کے جھوٹ اور مکر وفریب کو جانتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ بادشاہ بھی حقیقت سے واقف ہو جائے، رسول اللہ ﷺ جس طریقۂ کار کو اپنی طرف منسوب فرما رہے ہیں تعلیم امت اور خیر خواہی عوام کے لئے وہی مناسب اور افضل ہے، کیونکہ حاکموں اور بادشاہوں کے مزاج کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، ایسے موقع پر شرطیں لگانا دیر کرنا عام لوگوں کے لئے مناسب نہیں ہوتا، بادشاہ کی رائے بدل سکتی ہے اور جیل کی مصیبت بدستور قائم رہتی، حضرت یوسفؑ کو ہوسکتا ہے اللہ نے بذریعہ وحی بتادیا ہو

کہ اس تاخیر سے کچھ نقصان نہ ہوگا، عام انسان کو یہ درجہ حاصل نہیں ہوتا۔

غلطیوں کو معاف کر کے دل جیتا جاسکتا ہے!

حضرت یوسفؑ کے اخلاق، حلم و بردباری، عفو و درگذر اور کمال کا اندازہ کیجئے، بھائیوں نے قتل کرنا چاہا، پھر غلام بنا کر فروخت کر دیا، زلیخا نے اپنی بدلہ وانتقام لینے جیل میں ڈال دیا، برسوں جیل میں رہے، بَری شدہ ساقی مجرم نے باشادہ کے سامنے تذکرہ کرنا بھول گیا، اور پھر خواب کی تعبیر پوچھنے کی غرض سے آیا تو اُسے نہ ڈانٹا نہ ملامت کی اور نہ ہی تعبیر بتانے سے انکار کیا؛ بلکہ ہمدردی سے اس کا مقصد پورا کیا، آپؑ نے بھائیوں کو معاف کر دیا، جیل سے نکلنے میں زلیخا کو موردِ الزام نہ ٹھہرایا بلکہ معاف کر دیا، پھر ساقی مجرم پر نہ ملامت کی نہ جھڑکا اور نہ خواب کی تعبیر دینے سے انکار کیا، اور نہ یہ سوچا کہ ظالموں نے مجھے بغیر کسی غلطی وقصور کے جیل میں ڈالا ہوا ہے، چاہتے تو تعبیر نہ بتلا کر شاہی خاندان سے بدلہ نکال سکتے تھے کہ یہ اور ان کی حکومت تباہ ہوجائے، ایسا کچھ نہیں کیا بلکہ پچھلی باتوں کا تذکرہ کئے بغیر ہمدردی کے ساتھ خواب کی تعبیر دیدی اور اس کا حل وتدبیر بھی بتلادی، اس سے وہ لوگوں کا دل جیت گئے اور دعوتِ دین کا کام آسانی سے کیا، یہ تھی انسانوں کے ساتھ خیر خواہی، عفوودرگذر اور کمال، ورنہ وہ چاہتے تو بدلہ لے سکتے تھے جس کا بہترین موقع بھی ان کو ہاتھ آ گیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے بھی دشمنوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک فرمایا جس کی وجہ سے وہ دین کو سمجھ سکے، رسول اللہ ﷺ سے محبت کر کے اپنی جانیں قربان کر دیں۔

صفات الٰہی صبور، توّاب اور عفوودرگذر کی نقل کی جائے!

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے انتقام پر قدرت کے باوجود انہیں معاف کر دیا اور کہا کہ: آج تم پر کوئی گرفت نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے، وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے، اسی طرح فتح مکہ کے وقت قریش شکست کھا کر شرمندہ

کھڑے تھے، اور رسول اللہ ﷺ ان سے ظلم کا بدلہ لینے پر پوری طرح قادر تھے، پوچھا تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ انہوں نے کہا: آپ ایک اعلیٰ ظرف بھائی اور ایک عالی ظرف بھائی کے بیٹے ہیں، اس پر آپ نے وہی جواب دیا جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو دیا تھا کہ: آج تم پر کوئی گرفت نہیں! جاؤ تمہیں معاف کیا، اس کے بعد دین میں لوگ فوج در فوج داخل ہوتے گئے، تمام پیغمبروں نے اپنی قوموں کے ساتھ یہی طریقہ کار اختیار کیا۔

ایمان والوں میں خودداری ہونا بہت ضروری ہے!

عام طور پر انسانوں کی یہ کمزوری ہوتی ہے کہ جب دولت مند لوگ کسی بے سہارا، مظلوم، کمزور اور غریب انسان کو عزت اور مقام و مرتبہ دیتے ہیں تو وہ ان کی عزت افزائی اور مقام و مرتبہ دینے پر اپنے آپ کو احساس کمتری میں مبتلا کر کے حد سے زیادہ گرا دیتا اور ان کا غلام بن کر ان کی چاپلوسی کرتا ہے، اپنے آپ کو ان کے قدموں پر ڈال دیتا ہے، اپنی خودداری، عزت نفس اور شرافت کو بھول کر اندھی غلامی کرتا ہے۔

حضرت یوسفؑ کو بادشاہ نے جب بلوایا اور کہلوایا کہ ہم ان کو اپنا مشیر خاص، ذاتی دوست بنانا چاہتے ہیں اور ان پر بھرپور اعتماد اور ان سے رضامندی کا اظہار کیا تو حضرت یوسفؑ نے دوسرے درباریوں کی طرح نہ اس کو سجدہ کیا اور نہ اس کی چاپلوسی کی اور نہ ہی اپنے آپ کو اس کے آگے گرا کر نہ بچھا دیا، یہ نہ کہا کہ سرکار! میں آپ کا خادم اور غلام ہوں! اور غلام رہوں گا، آپ نے مجھے جیل سے آزاد کر کے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے؛ بلکہ اس کو دعوتِ دین دیا اور آنے والے حالات کو خواب کی تعبیر کے ذریعہ سنبھالنے اور حکومت کے تمام شعبوں کا درست انتظام کرنے کا پیشکش کیا بلکہ اپنی ذات کے لئے نہیں، ملک کی عوام اور بادشاہ کی بھلائی کے لئے ایک عظیم ذمہ داری مانگی، جس کی وجہ سے بادشاہ اور اس کی حکومت میں عقیدۂ توحید پھیل گیا، اس سے ایمان والوں کو خودداری کا سبق ملتا ہے اور اپنی صلاحیت سے کمزور اور ناواقف انسانوں کی مدد کرنے کا طریقہ سمجھ میں آتا ہے، اللہ

ایمان والوں میں خودداری چاہتا ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کے سامنے اپنی بے عزتی نہ کروالیں اور اپنی حیثیت نہ گرالیں، وفاداری اور دیانت داری کا ثبوت دیں۔

حضرت یوسفؑ نے خزانہ کی ذمہ داری اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ اسلام اور انسانوں کے فائدے کے لئے مانگی

اس قصہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ و پرہیزگاری بھی ودیعت کی اور ان کو دنیا کے انتظامات کا علم بھی عطا فرمایا تھا، جب بادشاہ نے حضرت یوسفؑ سے یہ ظاہر کیا کہ ان کے درباریوں میں سے کوئی بھی قحط سالی کے انتظامات سنبھالنے کا اہل نہیں تو انہوں نے حکمت سے اپنی خدمات کی پیش کیں، دیندار لوگوں میں یہ بھی صلاحیت ہونی چاہئے کہ وہ تقویٰ و پرہیزگاری کے ساتھ ساتھ دنیا کی سیاست کو اللہ کے احکام کے تحت چلا کر اسلام کا مظاہرہ کرتے رہیں، معاشی نظام، سماجی، نظام جغرافیائی نظام، سائنس اور ٹیکنالوجی سے بھی واقف ہوں، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے وزیرخزانہ بن کر سائنس کی بنیاد پر غلہ محفوظ کیا اور تقسیم کا طریقۂ کار معاشی اصولوں پر عمدہ طریقے سے کیا، تو بادشاہ نے انہیں پورے ملک کا وزیراعظم بنا دیا۔

موجودہ زمانہ میں اکثر یہ دیکھا گیا کہ مسلمان دنیا کی بڑی بڑی ڈگریاں رکھتے ہیں تو دین سے بالکل کورے ہوتے ہیں اور جو حضرات دین کی اعلیٰ تعلیم رکھتے ہیں اور متقی ہوتے ہیں وہ دنیا سے ناواقف رہتے ہیں، جس کی وجہ سے حکومتوں میں اللہ کے باغی و نافرمان لوگ بیٹھ کر عوام کے لئے تکلیف دہ اور مصیبتیں پیدا کرنے والے قوانین بناتے ہیں اور پریشان کن انتظامات کرتے ہیں اور عوام کی دولت لوٹتے ہیں، ایسے حالات میں انسانوں کو تعصب، ناانصافی، ظلم وزیادتی اور تکلیف میں مبتلا رہنا پڑتا ہے، اگر حکومت پر متقی و پرہیزگار دنیا کے باصلاحیت منتظمین بیٹھیں گے تو وہ اپنے آپ کو لوگوں کا خادم سمجھ کر

حکومت چلائیں گے، اللہ نے اسی چیز کی ترغیب دینے حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور حضرت یوسف علیہم السلام اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفاءِ راشدینؓ، عمر بن عبد العزیز اور دیگر مسلمان خلفاء کی مثالیں انسانوں کے سامنے رکھیں، اس لئے مذہبی ڈگریاں رکھنے والے سائنس، ٹیکنالوجی، جغرافیائی حالات اور سماج وسوسائٹی کی بھی معلومات حاصل کر کے سیاسی نظام، معاشی نظام کو سمجھنے کی کوشش کریں، جو انسان دیانت دار اور امانت دار ہوتا ہے وہ ہر ایک کی ضرورت بن جاتا ہے، دوسری حکمت یہ ملتی ہے کہ غیر مسلم حکومتوں میں کوئی عہدہ یا کسی جگہ کا اقتدار ملنے پر ایمان والا اس اقتدار کے ذریعہ اللہ کی اطاعت کا بھرپور مظاہرہ کرے اور دعوت کے لئے آسانی پیدا کرلے تاکہ مسلم اور غیر مسلم کا فرق لوگوں کو سمجھ میں آجائے، ہمیں یہ سبق حضرت یوسفؑ کے قصہ سے ملتا ہے۔

تقدیر پر ایمان رکھ کر احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی تعلیم

حضرت یعقوبؑ نے اپنی اولاد سے کہا: ''میرے بچو! مصر کے دار السلطنت میں ایک دروازے سے مت داخل ہونا؛ بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا، مگر میں اللہ کی مشیت سے تم کو نہیں بچاسکتا، حکم اس کے سوا کسی کا بھی نہیں چلتا، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور جس کو بھی بھروسہ کرنا ہو اسی پر کرے''۔

اسی میں یہ نصیحت ملتی ہے کہ اللہ کے تقدیری احکام اس کائنات میں رواں دواں ہیں، ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی، مگر حضرت یعقوبؑ پیغمبر ہونے اور تقدیر پر ایمان رکھنے کے باوجود اپنی اولاد کو احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی ہدایت دے رہے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ اللہ کی تقدیر کے سامنے انسانی تدابیر کچھ بھی کارگر نہیں ہوسکتیں، انسان اپنی کوشش سے بچنے کی تدابیر اختیار کر کے اللہ پر توکل کرے، اس لئے پھر انہوں نے کہا: میں اللہ کی تقدیر سے تم کو نہیں بچاسکتا، تقدیر کا فیصلہ اٹل ہے، جس کو کسی کی تدبیر نہیں بدل سکتی، لیکن اس کے باوجود انسان کا فرض ہے کہ وہ حالات کا جائزہ لے کر اپنی عقل کے

مطابق اللہ کے حدود میں تدابیر اختیار کریں اور پھر یہ یقین رکھے کہ وہ ہوگا جو اللہ کی مشیت وتقدیر میں ہے، اللہ کے فیصلہ کو کوئی نہیں بدل سکتا۔

اللہ کی بنائی ہوئی تقدیر سے خواب میں سورج، چاند اور ستاروں کے سجدہ کا اشارہ ملنے کے باوجود حضرت یعقوبؑ تدبیر اختیار کرنے کو کہہ رہے ہیں کہ اس خواب کا تذکرہ بھائیوں سے مت کرنا، اللہ پر بھروسہ رکھ کر تدبیر اختیار کر رہے ہیں، جانتے ہیں کہ اللہ تقدیر سے یوسفؑ کو خاص مقام عطا کرے گا، مگر پھر بھی تدبیر کر رہے ہیں، اس سے یہ معلوم ہوا کہ انسان اپنی حد تک تدبیر کرے، فیصلہ اللہ پر چھوڑ دے، تدبیر کے ذریعہ حاسد کو حسد کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے، حضرت یوسفؑ کو بھیجتے وقت بھی اور بنیامین کو مصر بھیجتے وقت بھی تقدیر پر کامل بھروسہ رکھتے ہوئے؛ مگر بار بار اولاد کو تاکید کر رہے تھے، وعدے پر وعدہ لے رہے تھے کہ وہ حفاظت کریں گے، پورا پورا خیال رکھیں گے اور پھر بھروسہ اللہ پر کیا۔

اللہ تعالیٰ ہر طرح سے قادر ہے

بھائیوں کا قافلہ جب مصر سے کنعان کی طرف روانہ ہوا، سیکڑوں میل دور سے کنعان میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو اللہ نے حضرت یوسفؑ کی قمیص کی خوشبو پہنچادی، گھر کے کسی دوسرے شخص کو یہ خوشبو محسوس نہیں ہوئی، اللہ نے صرف حضرت یعقوبؑ کی قوتِ شامّہ اتنی تیز کردی کہ جس کی وجہ سے وہ سیکڑوں میل دور کی خوشبو سونگھ سکیں، حالانکہ اس سے پہلے حضرت یوسفؑ کنویں میں کئی دن رہے اور کئی برس مصر میں رہے؛ لیکن ان کو حضرت یوسفؑ کی خوشبو محسوس نہیں ہوئی اور نہ یہ معلوم ہوا کہ حضرت یوسفؑ مصر میں موجود ہیں، شائد اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کو یہ تاکید کردی تھی کہ وہ اپنی موجودگی کی اطلاع حضرت یعقوبؑ کو نہ دیں۔

اللہ کے لئے خوشبو کو سیکڑوں میل سے حضرت یعقوبؑ تک پہنچانا کوئی بڑی بات نہیں، موجودہ زمانہ میں اللہ ہواؤں کے ذریعہ سیکڑوں انسانوں کی بات کو دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے میں ہر روز سنا رہا ہے، ٹی وی کے فوٹوز دنیا کے ایک کونے سے

دوسرے کونے میں جا رہے ہیں، انٹرنیٹ سے لوگ آہستہ بات کر سکتے ہیں، اس زمانہ میں اللہ کی قدرت کو سمجھنا آسان ہو گیا، اس لئے حضرت یوسفؑ کی خوشبو مصر سے کنعان پہنچنے پر ہمیں تعجب میں مبتلا نہیں ہونا ہے اور نہ شک میں پڑنا ہے؛ بلکہ اللہ کے ہر طرح سے قادر ہونے کا یقین رکھنا ہے، سیکڑوں میل اوپر سے روشنی منٹوں میں زمین پر آتی ہے۔

انسان کو اپنے خاندان کے ایمان واسلام کی فکر ہونی ضروری ہے!

جب برادرانِ یوسفؑ مصر سے واپس آگئے اور حضرت یوسفؑ کی موجودگی کی اطلاع دی تو والد نے حضرت یوسفؑ کے حالات دریافت کئے، بھائیوں نے کہا: وہ مصر کے بادشاہ بن گئے ہیں، اس پر حضرت یعقوبؑ نے کوئی خوشی کا اظہار نہیں کیا اور کہا: مجھے اس سے کوئی غرض نہیں، یہ بتاؤ اس کا دین کیا ہے؟ بھائیوں نے جواب دیا: ان کا دین اور طریقہ اسلام ہے! یہ جواب سن کر وہ مطمئن ہوئے اور فرمایا: اللہ نے اپنی نعمت تمام کی، یہ خوشی کی بات ہے۔

☆ اسی طرح قرآن نے سورۃ البقرہ میں حضرت یعقوبؑ کے انتقال کے وقت اپنے بیٹوں کو نصیحت کرنے کا ذکر کیا جنہوں نے پوچھا کہ: بتاؤ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ سب نے ایک زبان ہو کر کہا: ہم آپ کے بعد حضرت ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق علیہم السلام کے رب کی ہی عبادت کریں گے، اس سے یہ نصیحت ملتی ہے کہ ہر ماں باپ کو اپنی اولاد کے بارے میں ایسی ہی فکر کرنی چاہئے اور ان کے دین اسلام سے غفلت نہیں برتنی چاہئے، مگر موجودہ زمانہ میں کمزور ایمان والے اپنی اولاد کی دنیوی ترقی پر خوش ہوتے ہیں اور دین اسلام سے ناواقفیت یا اس سے غفلت پر کوئی توجہ نہیں دیتے، ذرا سوچئے کہ آخرت کے دن اگر ان کی اولاد کو ان کے سامنے آگ میں ڈالا جائے تو کیا وہ برداشت کر سکیں گے؟ اس لئے اولاد کو جہنم کی آگ سے بچانے کی بھرپور کوشش کیجئے، یا اگر ان کی غفلت سے ان کو بھی جہنم میں ڈالا جائے تو کیا حشر ہوگا، اس لئے ماں باپ بن کر اپنی

اولاد کا حق ادا کیجئے، کافروں کی طرح صرف ان کی دنیا مت بنائیے، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ انتہائی گھاٹے اور خسارے میں ہے وہ انسان جو دوسروں کی دنیا بنانے میں اپنی آخرت برباد کرلے۔

پچھلے زمانوں میں بادشاہوں کے سامنے تعظیماً سر جھکایا جاتا تھا

حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے جب حضرت یوسفؑ کے دربار میں آکر تخت پر بیٹھ گئے تو مفسرین نے لکھا ہے کہ حاضرینِ دربار کے ساتھ ساتھ والد والدہ اور بھائیوں نے بھی سر جھکا دیا، اس زمانہ میں بادشاہوں کے دربار میں اس طرح تعظیم کے طور پر سر جھکایا جاتا تھا، اس لئے اسی جھکنے کو سجدہ کہا گیا، جیسے ملکہ سبا کے دربار میں بھی لوگ جھکتے تھے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ پچھلے زمانوں میں سجدۂ تعظیمی کا بھی رواج تھا، بادشاہ کے اکرام کے لئے زمین پر سر رکھ کر سجدہ کی شکل میں تعظیم کی جاتی تھی، مگر رسول اللہ ﷺ کی شریعت میں ایسی تمام باتوں سے منع کردیا گیا، اس وقت بہت سے مسلمان حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کی مثال پیش کرکے رسول اللہ ﷺ کے منع کرنے کے باوجود قبروں، مرشدوں اور بزرگوں کو سجدۂ تعظیمی کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کی شریعت میں یہ عمل شرک میں شمار ہوتا ہے۔

انسان دنیا میں ترقی ورُتبہ ملنے کے بعد اللہ کا ناشکرا نہ بنے!

اکثر لوگ غربت و مفلسی میں دیندار ہوتے ہیں، اسلام پر چلتے اور دین کی سختی سے پابندی کرتے ہیں، مگر جب اللہ ان کو دنیا میں عزت اور مقام و مرتبہ دیتا ہے، دولت اور شہرت سے نوازتا ہے تو وہ اللہ کے ناشکرے بن جاتے ہیں، اسلام سے دور ہوکر اپنی محنت وکوشش سے ترقی کا تصور کرلیتے ہیں، یہ بہت بڑا ناشکرا پن ہے۔

حضرت یوسفؑ حاکمِ مصر بنے، تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہوئے اور پھر بھائیوں سے مخاطب ہوکر کہا: یہ جو شان وشوکت، جاہ وجلال اور رعب ودبدبہ تم لوگ دیکھ رہے ہو

اس میں میرا اپنا ذاتی کوئی کمال نہیں، یہ سب میرے خالق و مالک، ربِ کریم و رحیم کا مجھ پر فضل واحسان اور انعام ہے جو اس نے اپنے غریب، عاجز اور کمزور بندے پر فرمایا، ورنہ میں تو بے سہارا اور بے یار و مددگار کنعان کے سوکھے کنویں میں پڑا تھا، غلام بن کر مصر لایا گیا، غلام کی حیثیت سے فروخت ہوا، اللہ نے مجھے مختلف امتحانوں سے گذار کر تختِ مصر کا مالک بنادیا، پھر فرمایا: اللہ نے ہم پر بڑا احسان فرمایا کہ صحرا سے آپ لوگوں کو مجھ سے لاکر ملایا، یقیناً جو انسان تقویٰ اور فرمانبرداری اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتا، کہا: اے زمین و آسماں کے بنانے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا سرپرست ہے، میرا خاتمہ اسلام پر فرما اور انجامِ کار مجھے صالحین کے ساتھ ملا، یہ دعا گویا ہماری تربیت کے لئے بتلائی گئی ہے۔

گناہوں پر صالحین سے دعا کی درخواست بھی کرنا چاہئے!

جب برادرانِ یوسفؑ کو اپنی غلطیوں کا احساس ہوا اور انہوں نے والد سے گناہوں پر پشیمانی ظاہر کی اور درخواست کی کہ وہ اللہ سے ان کے گناہوں کی معافی کے لئے دعاء کریں، جس کو قرآن نے آیت: ۹۷ میں بیان کیا: ''سب نے کہا: ابا جان! آپ ہمارے گناہوں کی بخشش کے لئے دعاء کریں، واقعی ہم خطا کار تھے، اس نے کہا: میں اپنے رب سے تمہارے لئے معافی کی درخواست کروں گا، وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے''۔

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ آدمی سچائی کے ساتھ گناہوں اور غلطیوں کا اعتراف کرے اور اپنے گناہوں پر پشیمان اور نادم ہو کر مغفرت طلب کرے، پھر صالحین سے بھی دعا کی درخواست کرنی چاہئے، ان کے حق میں صالحین کی دعائیں قبول بھی ہوتی ہیں، یہاں ایک اور نکتہ یہ معلوم ہوا کہ حضرت یعقوبؑ نے خاص وقت میں دعا کرنے کا وعدہ کیا، فوراً دعا نہیں فرمائی، یعنی عنقریب تمہارے لئے اپنے رب سے گناہوں کی معافی کی درخواست کروں گا۔

حقوق العباد کے گناہوں پر مظلوم سے معافی مانگنا شرط ہے!

برادرانِ یوسفؑ نے اپنے بھائی پر ظلم کیا تھا، اس لئے جب تک حضرت یوسفؑ ان کو معاف نہ کردیں حضرت یعقوبؑ ان کے گناہوں کی معافی کی درخواست کرنا بیکار جاتا، حقوق العباد میں ظلم کرنے سے اللہ نے مظلوم سے معافی مانگنے کی شرط رکھی ہے، اس کے بعد توبہ قبول ہوتی ہے، اسی لئے حضرت یعقوبؑ نے فوراً اپنی اولاد کی مغفرت کی دعاء نہیں کی، وعدہ کیا کہ میں تمہارے لئے عفوودرگذر کی اللہ سے درخواست کروں گا، وہ نہیں جانتے تھے کہ ان کے فرزندان حضرت یوسفؑ سے معافی مانگ کر ان کو راضی کرکے آئے ہیں، حضرت یعقوبؑ سمجھے کہ ظلم تو یوسفؑ کے ساتھ ہوا ہے، دل کی کدورتوں کے صاف ہونے دو، سکون آنے کے بعد جب حضرت یوسفؑ معاف کردیں تو میں بھی اللہ سے ان کی بخشش کی دعا کروں گا، انسان کے زخمی دل سے کدورت نکلتے نکلتے وقت لگتا ہے، دلوں کی کدورت جلد صاف نہیں ہوتی، ظلم کرنے والے کو پہلے پوری طرح اپنی اصلاح کرنا ضروری ہے۔

اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ جو لوگ ظلم کرکے مظلوم سے معافی نہ مانگ لیں اس وقت تک ان کی توبہ صحیح نہیں ہوتی، اللہ نے حقوق العباد پر یہ شرط رکھی ہے کہ مظلوم سے اپنی زیادتی اور ظلم کو معاف کروالو یا اس کا مال واپس کردو تب توبہ قبول کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر کوئی بھی کسی کو نہیں مٹاسکتا

اس واقعہ میں ایک خاص سبق یہ بھی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائی مٹانا چاہتے تھے؛ وہ مٹا نہ سکے، غلام بنانا چاہتے تھے؛ وہ بھی نہ بنا سکے، اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ وہ جب کسی کی حفاظت اور ترقی دینا چاہتا ہے تو دنیا کی کوئی قوت اس کو ناکام نہیں کرسکتی، حضرت یوسفؑ کو بے سہارا ہونے اور بے بسی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے دولتمند

گھرانے میں پہنچایا اور پھر مصر کی سلطنت وحکومت اور اقتدار عطا فرمایا، اس طرح حضرت یوسفؑ کے قدم مصر میں مضبوط جمادئے۔

اس سے مسلمانوں کو قیامت تک یہ سبق ملتا ہے کہ جس طرح حضرت یوسفؑ کو مٹانے کی کوشش کی گئی لیکن بھائی کامیاب نہ ہوسکے اور وہ بے سہارا سے نہ صرف سہارے والے ہوگئے بلکہ دوسروں کو سہارا دینے والے بن گئے، اسی طرح دنیا کی دیگر قومیں اگر اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کی کوشش کریں گی تو وہ کامیاب نہ ہوسکیں گی، اگر مسلمان حضرت یوسفؑ کی زندگی کو سمجھیں گے اور ان کے حالات پر نظر رکھیں گے تو ان کو ہمت و حوصلہ ملے گا کہ اللہ کی مشیت کے بغیر کوئی انہیں مٹا نہیں سکتا، کافروں کے خوفناک منصوبوں سے وہ نہ گھبرائیں گے اور نہ اسلام سے ہٹیں گے، اللہ پر کامل بھروسہ رکھیں گے۔

فرعون نے ہزاروں بچوں کو قتل کیا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل نہ کرسکا، مشرکین مکہ رسول اللہ ﷺ کے قتل یا قید کا منصوبہ بنا چکے تھے مگر ناکام رہے، اس لئے ایمان والوں کو نفع ونقصان میں اللہ پر کامل یقین رکھنا چاہئے کہ اللہ کی مرضی کے بغیر کوئی کچھ نہیں کرسکتا، اور جب کسی کے قتل کا وقت آجاتا ہے تو قرآن کہتا ہے کہ وہ خود بخود قتل گاہ پر آجاتا ہے۔

تقدیر کے خلاف انسان اپنے منصوبہ میں کامیاب نہیں ہوسکتا

اللہ جو کام کرنا چاہتا ہے وہ ہر حال میں پورا کرکے رہتا ہے، انسان اپنی تدبیروں سے اللہ کے منصوبوں کو روکنے اور بدلنے میں کچھ کامیاب نہیں ہوسکتا، اکثر اوقات انسان اپنی تدبیر کے تحت کسی کو نقصان پہنچا کر سمجھتا ہے کہ وہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہوگیا، مگر اللہ اس کے شر میں سے خیر کو نکالتا ہے اور بعض اوقات اسی انسان کے ہاتھوں سے وہ کام لے لیتا ہے جو اس کے منصوبہ شر کے خلاف ہو اور شر میں سے خیر نکالتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر پہنچانا چاہتا تھا، عزیز مصر کے گھر سے بادشاہ کے پاس پہنچانے کا تقدیری منصوبہ تھا، برادرانِ یوسف اپنے شر کے منصوبہ کے تحت

حضرت یوسفؑ کو کنویں میں پھینک رہے تھے اور سمجھے کہ انھوں نے اپنے راستے کے کانٹے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہٹا رہے ہیں اور وہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جائیں گے، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ حضرت یوسفؑ کو شر کے ذریعہ کنویں میں ڈال کر عروج کی پہلی سیڑھی پر اپنے ہی ہاتھوں سے چڑھا رہے تھے، جہاں اللہ ان کو پہنچانا چاہتا تھا۔

اسی طرح عزیز مصر کی بیوی بدنامی سے بچنے اور ان سے انتقام لینے ان کو قید خانہ بھیج دیا، مگر ان کا قید میں جانا ان کے لئے سلطنتِ مصر کے اقتدار پر پہنچنے کا راستہ صاف کر دیا اور وہ قید خانہ کے ذریعہ آسانی سے بادشاہی تک پہنچ گئے۔

ان کو قید خانہ بھیجنے والوں کو اور ان پر تہمت لگانے والوں کو خود مجبور ہو کر بادشاہ کے سامنے حضرت یوسفؑ کی پاکدامنی کا اظہار کرنا پڑا، قید خانہ میں بھیج کر خود اپنی بے عزتی کروالی اور خیانت کا اعتراف کر کے بے عزتی اٹھانی پڑی۔

بالکل اسی طرح قریش کے لوگ رسول اللہ ﷺ کے لئے قتل یا جلاوطنی یا قید کا جو منصوبہ بنا رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ کو ہجرت پر مجبور ہونا پڑا، رسول اللہ ﷺ کی ہجرت اس بات کی دلیل تھی کہ مشرکین اپنے شر کے منصوبہ سے مکہ پر حکومت سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے اور جنگ بدر میں خود ہی موت کے حوالے ہو جائیں گے، گویا اس منصوبہ میں خود ان کے قتل ہونے، ذلیل خوار ہونے اور رسول اللہ ﷺ کو حکومت فراہم کرنے کا موقع عطا کرنا تھا، جو فتح مکہ کی شکل میں ظاہر ہوا، اور رسول اللہ ﷺ کے لئے غار ثور دراصل مدینہ کی طرف چلنے اور کامیابی کی طرف بڑھنے کی پہلی سیڑھی تھی جو قریش کے لوگوں ہی کی منصوبہ بندی کی وجہ سے ہوئی، غار ثور کی تین دن کی تکلیف دراصل حضرت یوسفؑ کے کنویں کی طرح تھی، رسول اللہ ﷺ اور مہاجرین کا مدینہ جانے کے بعد انصار کا ایثار و قربانی اور بھائی بھائی بنالینا عزیز مصر کی طرح غلام کے بجائے بیٹا بنائے رکھنے کی طرح تھا، جس طرح عزیز مصر نے حضرت یوسفؑ کو آنکھوں کا تارا اور دل کا پیارا بنا رکھا اور جس طرح عزیز مصر نے گھر بار تمام کاروبار کی ذمہ داری حضرت یوسفؑ کو دے دی، اسی طرح حضرات انصارؓ

نے بھائی بنا کر اپنی ملکیت دینے کا پیش کش کیا، کسی کے ساتھ مہاجرین جیسا برتاؤ نہیں کیا، رسول اللہ ﷺ کے لئے مکہ کا اقتدار گویا حضرت یوسفؑ کے اقتدار یعنی مصر کی حکومت کی طرح تھی، پھر مصر میں قحط پر حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے غلہ مانگا؛ مکہ میں قحط پر ابوسفیانؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دعاء کی درخواست کی اور رحم و مدد کے لئے ثمامہ سے غلہ حاصل کرنے کی گذارش کی، رسول اللہ ﷺ نے رحم فرمایا اور ثمامہ کو غلہ دینے کا خط دیا، جس طرح حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو قحط پر غلہ دیا، جس طرح برادرانِ یوسف اپنی حرکتوں کے ذریعہ ذلت اور شرمندگی کے ساتھ راز فاش ہونے کے بعد ندامت کے ساتھ معافی مانگی، اسی طرح مشرکین مکہ نے اپنی تدبیر سے خود اپنی ذلت کمائی اور خیانت کا اعتراف کر کے شرمندگی اٹھائی اور معافی کی درخواست کی، اور جس طرح حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو معاف کیا اور ان کے ساتھ عفو و درگذر کا معاملہ کیا اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی فتح مکہ کے بعد معاف کر دیا، کوئی بدلہ نہیں لیا، اس سے ثابت ہوا کہ ساری دنیا متحد ہو کر کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتی، جسے اللہ بچانا چاہے کوئی اُسے مٹا نہیں سکتا اور جسے وہ مٹانا چاہے کوئی اُسے بچا نہیں سکتا، اللہ شر میں سے خیر نکالتا اور خیر میں سے شر، وہ جسے گرانا چاہے اُسے کوئی انسانی تدبیر ذلت سے بچا نہیں سکتی اور جسے وہ عزت دینا چاہے اُسے کوئی انسانی تدبیر ذلیل نہیں کر سکتی، گویا قتل کا پروگرام بنا کر خود ابوجہل قتل گاہ پر آ گیا۔

نیک لوگوں میں حسبِ ذیل صفات ہرگز نہ ہونا چاہئے!

اس قصہ سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ اللہ سے ڈرنے اور اللہ سے محبت رکھنے والے اسلام کی پابندی کرنے والے نیک اور اچھے انسانوں میں لوگوں کو ناحق قتل کرنے کا منصوبہ، باپ کے ساتھ بے احترامی، بھائی کے ساتھ یا انسانوں کے ساتھ بے رحمی، جھوٹ، زنا اور ناحق لوگوں کو سزا دینا، ظلم کرنا، امانت میں خیانت، احسان فراموشی، بدلہ، غصہ و انتقام، ایسی چیزوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں رہنا چاہئے، اس لئے کہ دنیا امتحان کی جگہ ہے اور

نیک انسانوں کو زندگی کے مختلف شعبوں میں مخالف حالات آئیں گے اور وہ تقدیر کا حصہ ہوں گی، یہ تمام اعمال ایمان کے تقاضوں کے خلاف ہیں۔

جو چیزیں مخلوق سے چُھپی ہوں اس کا علم صرف اللہ کو ہوتا ہے!

اس واقعہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام پیغمبر ہونے کے باوجود جو چیزیں ان سے چھپی تھیں ان کا علم ان کو نہ ہوسکا، غیب کی ساری باتیں جو مخلوقات کے علم میں نہ ہوں ان کا علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں ہوتا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو....

☆ حضرت یوسفؑ کے بھائی ان کے قتل کا منصوبہ بنا رہے تھے، اس کا علم نہ ہوسکا۔

☆ کھیل کود کے بہانے سے برائی و قتل کا ارادہ کر کے حضرت یوسفؑ کو جنگل کی طرف لے جا رہے تھے، اس کا علم نہ ہوسکا۔

☆ گھر سے نو میل دوری پر اندھا کنواں تھا، تین دن تک حضرت یوسفؑ اس کنویں میں رہے، اس کا علم نہ ہوسکا، نہ وہاں سے انہیں خوشبو آئی۔

☆ مصر کے بازار میں غلام بنا کر فروخت کیا گیا، اس کا علم نہ ہوسکا۔

☆ عزیز مصر کے گھر میں دو تین سال رہے، نہ اس کا علم ہوسکا اور نہ خوشبو آئی۔

☆ جیل میں آٹھ نو سال رہے، اس کا علم نہ ہوسکا اور نہ خوشبو آئی۔

☆ حاکم مصر بنے، اس کا بھی علم نہ ہوسکا۔

☆ بھائیوں نے خود مصر جا کر غلّہ انہی سے خرید کر لائے، تب بھی اس کا علم نہ ہوسکا۔

☆ مگر جب حضرت یوسفؑ نے قمیص دے کر مصر سے کنعان کو بھیجی تو ہزاروں میل سے حضرت یوسفؑ کی خوشبو محسوس ہوئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ بڑے سے بڑے انسان کو بھی اللہ کی طرف سے علم دئے جانے کے بعد ہی وہ غیب کی باتیں جان سکتا ہے، انسان یا جن اور فرشتے کوئی بھی علم غیب نہیں رکھتے، مگر اکثر لوگ اپنے پیرو مرشد کو علم غیب رکھنے والا سمجھتے ہیں۔

شرک میں مبتلا لوگوں کو خالص توحید نہیں سمجھ میں آتی

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ o (یوسف:۱۰۶)

ان میں سے اکثر اللہ کو مانتے ہیں مگر اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

یہ مشرکین مکہ کی طرف اشارہ کیا گیا کہ یہ لوگ حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کو مانتے تھے، کعبۃ اللہ کو اللہ کا گھر سمجھتے تھے اور بیت اللہ کہتے تھے، اپنے آپ کو حضرت اسماعیلؑ کی اولاد جانتے تھے، بتوں کو خدا جیسا نہیں مانتے تھے، زمین، آسمان، بارش، ان پر حکومت، دن رات کا انتظام صرف اللہ سے مانتے تھے، مگر پھر بھی وہ ان بتوں کو خدا تک پہنچنے کا واسطہ اور وسیلہ سمجھ کر ان کے ذمہ زمین کے کاروبار سنبھالنے کا تصور رکھتے تھے، ہر زمانہ میں انسانوں میں یہ خرابی اور کمزوری رہی ہے کہ وہ اللہ کا انکار تو نہیں کرتے تھے مگر اللہ کو مانتے ہوئے شرک میں مبتلا ہوتے تھے، ایسا ایمان کسی کام کا نہیں ہوتا، انسانوں کا اصل مرض اللہ کا انکار نہیں بلکہ اللہ کے ساتھ ذات وصفات اور حقوق واختیارات میں شرک ہے، یہی حال مشرکین مکہ کا تھا، وہ مشرکین بس اسی طرح اللہ کو ماننے پر مطمئن تھے، ان کو یہ احساس ہی نہیں تھا کہ ان کا اس طرح اللہ کو ماننا توحید نہیں بلکہ شرک کہلاتا ہے، اور اس طرح مان کر وہ دنیا میں اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکتے اور نہ مرنے کے بعد بچ سکتے ہیں، موجودہ زمانہ میں اکثر مسلمان کلمہ پڑھ کر ایمان کا دعویٰ کرنے کے باوجود شرکیہ عقائد واعمال میں اور صفات وحقوق الٰہی کے شرک میں گرفتار ہیں اور اپنی مسلمانیت پر مطمئن ہیں، پھر ہر روز قرآن پڑھتے اسلام کے بہت سارے احکام کی پابندی بھی کرتے ہیں، مگر ان کو خالص توحید سمجھ میں نہیں آتی، اسی طرح موجودہ زمانہ کے مشرک اور اہل کتاب بھی اللہ کا انکار نہیں کرتے، مگر خالص توحید ان کو سمجھ میں نہیں آ رہی ہے، وہ شرک کے ساتھ اللہ کو، فرشتوں کو، کتابوں کو، پیغمبروں کو اور آخرت وتقدیر کو برابر مانتے ہیں، موجودہ زمانہ کے اکثر مسلمان اللہ کی صحیح پہچان کی نہیں رکھتے جس کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہوتے ہیں۔